مُصنّفہ
حضرت علامہ ابو القاسم رفیق دلاوری صاحب مدظلہم

اسلامیہ ٹرسٹ اندرون لوہاری گیٹ کوچہ بسرکی بنداں لاہور

جامعہ مدنیہ (رجسٹرڈ)

اور اس کے اغراض و مقاصد

جامعہ مدنیہ کا نصب العین تبلیغِ اسلام ہے۔ جس کے حاصل کرنے کے لیے:

۱۔ عامۃ المسلمین میں علوم دینیہ، قرآن، حدیث، فقہ، عقائد اور اس کے متعلقہ علوم کی ترویج و اشاعت۔

۲۔ قرآن، حدیث، فقہ اور عقائد کی ایسی مکمل اور محققانہ تعلیم کا انتظام جس میں ضروریاتِ دین و مقتضیاتِ عصریہ کا خاطر خواہ لحاظ رکھا جائے اور جس سے محققانہ نظر رکھنے والے ماہرِ علومِ دینیہ پیدا ہوں۔

۳۔ فضلائے علومِ دینیہ کو دوسرے ممالک کی زبانیں یا قانون وغیرہ سکھانا تاکہ ان کو ادائیگی فریضۂ تبلیغ میں آسانی پیدا ہو۔

۴۔ گریجویٹ اور تعلیمِ نو حاصل کرنے والے طلبہ اور بچوں کے لیے تعلیمِ دین کا انتظام کرنا اور قیامِ مکاتب قرآنیہ۔

۵۔ اسلامی مذہب و فکر کے متعلق اعلیٰ محققانہ مضامین و کتب کی تصنیف، تدوین، ترتیب، تراجم اور ان کی اشاعت کا انتظام و اہتمام کرنا۔

۶۔ دیگر ایسے اقدامات جو تعلیماتِ اسلامیہ کی اشاعت اور مذکورہ بالا مقاصد کی فروغ کے ضامن ہوں۔

۷۔ بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لیے مناسب اداروں کا قیام۔

جامعہ مدنیہ آپ کی ہر قسم کی معاونت کا صحیح مستحق ہے

منجانب: امیرِ جامعہ مدنیہ لاہور

بیس رکعت تراویح کے اثبات میں ایک بلند پایہ محققانہ تصنیف

المسمیٰ

بالتوضیح

عن

رکعات التراویح

مؤلفہ

حضرت علامہ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحب دام فیضہم

برائے

اسلامیہ ٹرسٹ

کوچہ سرکی بنداں - اندرون لوہاری گیٹ لاہور

فہرست مضامین

التوضیح عن رکعات التراویح

صفحہ

اہل حدیث ۔ محمد بن حمید رازی تو خیر ضعیف سہی لیکن بن جاریہ تو ایسا ضعیف نہیں کہ اس کی بات کو قطعی لغو اور جھوٹ سمجھ لیا جائے ۔ چنانچہ علنبسہ رازی جعفر بن حمید نے بھی اُس سے حضرت جابرؓ کی حدیث بدیں الفاظ نقل کی ہے ۔

قال علنبسہ الرازی جعفر بن حمید حدثنا یعقوب القمی عن عیسٰی بن جاریہ عن جابرٍ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات والوتر فلما کان فی القابلۃ اجتمعنا ورجونا ان یخرج فلم نزل حتی اصبحنا۔

(میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۱۱)

علنبسہ رازی جعفر بن حمید نے کہا کہ ہم سے یعقوب قمی نے حدیث بیان کی ۔ یعقوب قمی نے عیسٰی بن جاریہ سے سُنا اور عیسٰی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان میں آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھائے ۔ دوسری رات ہم پھر جمع ہوئے اور آنحضرتؐ کی تشریف آوری کے منتظر رہے ۔ لیکن آپ نہ آئے یہاں تک کہ صبح ہوگئی ۔

اہل سنت ۔ اس روایت میں یعقوب قمی اور عیسٰی بن جاریہ دو راوی ضعیف ہیں ۔ یعقوب بن عبداللہ قمی کی نسبت گو لیس بہ باس (اس میں تھوڑا ضعف ہے) لکھا ہے لیکن دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے یعقوب قمی سے تعلیقاً روایت کیا ہے ۔ (میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۲۴)

اہل حدیث ۔ امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ۔

حدثنا عثمان بن عبیداللہ الطلحی الکوفی ثنا یعقوب بن عبداللہ القمی

ہم سے عثمان بن عبداللہ کوفی نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے یعقوب بن عبداللہ قمی نے

لہ آج ۱۶ دسمبر ۳۶ء کو طبرانی کی معجم صغیر دیکھی اس میں عثمان عبیداللہ طلحی کا نام نہیں ملا ۔ منہ

عن عیسیٰ بن جاریہ عن جابر بن عبد اللہ	عیسیٰ بن جاریہ سے انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ
قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ	سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں
علیہ وسلم فی شہر رمضان الخ	رمضان میں نماز پڑھائی الخ

اہل سنت ۔ اس حدیث میں بھی وہی دو ضعیف راوی یعقوب قمی اور عیسیٰ بن جاریہ موجود ہیں ۔

یہ حقیقت قابل غور ہے کہ جس شخص کے خلاف علامہ ابن حجر عسقلانیؒ امام یحییٰ بن معین، ابوداؤد محدثؒ نسائیؒ محدثؒ، ساجی عقیلی اور ابن عدی جیسے سات معزز و محترم گواہ شہادت کے لئے صف بستہ کھڑے ہوں ۔ اگر اس کی تائید میں کوئی ایک آدھ کمزور سی آواز اُٹھے بھی تو اُسے کون سن سکتا ہے ۔ اس سے قطع نظر ابو زرعہ کا لا باس بہ (اس روایت میں کوئی حرج نہیں) کہنا خود اس کی ثقاہت کی نفی ہے ۔ کیونکہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ کسی قدر ضعیف ہے ۔

اہل حدیث ۔ میں نے گزارش کی کہ عنبسہ رازی جعفر بن حمید نے بھی عیسیٰ بن جاریہ سے حدیث جابرؓ نقل کی ہے ۔

اہل سنت ۔ لیکن جس صورت میں کہ ابن جاریہ ضعیف اور ناقابل اعتماد ہے تو اس سے جو روایت بھی نقل کی جائے گی ۔ وہ ضعیف اور ناقابل اعتماد ہو گی۔ عنبسہ رازی کی جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے ۔ اس میں عیسیٰ بن جاریہ کے علاوہ ایک راوی یعقوب بن عبد اللہ قمی بھی قابل اعتماد نہیں ۔ گو طبرانیؒ نے اسے ثقہ اور نسائیؒ نے لیس بہ باس (اس میں کچھ زیادہ ضعیف نہیں) لکھا ہے لیکن دار قطنی

اَلحمدُ للہِ رب العالمین والصّلوٰۃ والسلام عَلٰی خیر خلقہٖ سید نا محمد و آلہٖ واصحٰبہٖ اجمعین ؕ

امّا بعد رمضان المبارک نہایت بابرکت مہینہ ہے لیکن جہاں ماہ صیام کی آمد ہر سال مسلمانوں پر خیر و برکت اور لطف و رحمت کے ہزاروں دروازے کھول دیتی ہے۔ وہاں اس خراب آباد ہندوستان کے اندر مذہبی رنگ میں ایک شر بھی ظہور کرتا ہے اور وہ جماعت "اہل حدیث" کا یہ پروپیگنڈا ہے کہ "بیس رکعت تراویح کی کوئی اصل نہیں" ہر سال اہل سنت و جماعت کے سروں پر اس مکروہ نشریہ کے طوفان اٹھتے ہیں اور بہت سے ناواقف حنفی یہ سمجھتے ہوئے اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں کہ شاید اہل سنت کے پاس بیس رکعت کا کوئی ثبوت نہ ہوگا۔

۱۹۲۸ء میں راقم الحروف دہلی گیا وہاں ایک دوست نے بتایا کہ آج کسی غیر مقلد نے اشتہار تقسیم کئے ہیں کہ بیس رکعت تراویح بدعت ہے۔ میں یہ سنکر سخت حیرت زدہ ہوا کہ آج کفر زار ہندوستان میں وہ وقت بھی دیکھنے میں آیا کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کی سنت کو جو در اصل خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ بدعت کہا جاتا ہے اس کے بعد جب راقم لاہور میں تھا تو ۱۹۳۶ء کے آواخر میں سیکرٹری صاحب انجمن

اہلِ حدیث برانڈرتھ روڈ لاہور کی طرف سے ایک رسالہ بنام "رکعات تراویح" تقسیم کیا گیا جس کے آخری صفحہ پر لکھا تھا کہ آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح کا کوئی ثبوت نہیں اور جو روایتیں بیس رکعت کے حق میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان کے راوی ضعیف اور جھوٹے ہیں۔" میں نے سیکرٹری صاحب سے مل کر گذارش کی کہ مسلمانوں کے موجودہ دَورِ انحطاط میں ایسی افتراق انگیز تحریروں کی اشاعت مفادِ ملی کے خلاف ہے۔ اس لئے آئندہ ایسے اقدام سے پہلوتہی کرنی چاہیئے۔" انہوں نے جواب دیا کہ ہر شخص کو حق ہے کہ جس چیز کو وہ صحیح سمجھتا ہے اس کو دوسروں تک پہنچائے۔" مگر ظاہر ہے کہ وحدتِ قومی کی طرف سے آنکھیں بند کرکے فروعی اختلافات کا فتنہ کھڑا کرنا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا کہاں تک قرینِ دانش ہے۔

چونکہ احناف لاہور کی کسی جماعت نے سیکرٹری صاحب کے رسالہ کی طرف التفات نہ فرمایا۔ اس لئے انہوں نے اگلے سال یعنی ۱۹۳۷ء کے رمضان المبارک میں پھر ایک دو ورقہ شائع کرکے آٹھ رکعت کے سنتِ نبوی ہونے پر زور دیا اور بیس رکعت تراویح کی قطعی نفی کرکے بزعم خود اہلِ سنّت کے جسدِ بے حسّ پر تازیانہ تنبیہ رسید کیا۔ چنانچہ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس دو ورقہ کے جواب میں احناف کی طرف سے ہم صفحات کا ایک رسالہ اور ایک دو ورقہ شائع ہوا جس پر عامۂ احناف مطمئن ہو گئے اور بادی النظر میں فضا پُرسکون ہو گئی۔

لیکن اس کے بعد رمضان ۱۳۵۶ھ کے آغاز میں ایک "اہلِ حدیث" دوست نے مولانا ابو تمیم محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی[1] کا ایک رسالہ موسومہ بہ "انارۃ المصابیح لاداء صلوٰۃ التراویح"

---

[1] ہمارا یہ جوابی رسالہ مولانا ابراہیم صاحب کی حیات میں لکھا گیا تھا اب طبع ہو رہا ہے۔ — حامد میاں غفرلہٗ

میرے حوالے کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرات "اہل حدیث" کی شر انگیزی کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب کے رسالہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تالیف آج سے ڈیڑھ سال پیشتر اکتوبر ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس رسالہ میں حسب معتاد آٹھ رکعت کو سنت نبویہ اور عمل صحابہ قرار دیتے ہوئے بیس رکعت کو بے اصل ٹھہرانے کی کوشش کی گئی ہے اور بزعم خود ان رسالوں کی تردید کی ہے جو لاہور میں "اہل حدیث" کی تحریروں کے جواب میں شائع ہوئے تھے۔

گو "اہل حدیث" کا رویہ مدت سے اشتعال انگیز چلا آ رہا ہے۔ تاہم خاکسار راقم التحریر نے اس نزاع کو فروعی اختلاف قرار دے کر کبھی قابل التفات نہ سمجھا اور قطعاً گوارا نہ کیا کہ اس "لاطائل بحث" میں الجھ کر اپنے قیمتی اوقات کا خون کروں۔ لیکن آخر میں نے دیکھا کہ یہ جماعت امن و سکون کو گناہ عظیم سمجھتی ہے اور اس نے اتحاد بین المسلمین کی طرف سے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے اس لئے مولانا ابوتمیم محمد ابراہیم سیالکوٹی کا پروپیگنڈا دیکھ کر میں نے معاً محسوس کیا کہ اب اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنا ناگزیر ہے۔ اور بادل ناخواستہ ارادہ کر لیا کہ ایک رسالہ لکھ کر جماعت "اہل حدیث" کی غلط فہمی دور کر دی جائے اور ان لوگوں پر واضح کر دیا جائے کہ بیس رکعت تراویح کسی حنفی یا شافعی کا دماغی اختراع نہیں بلکہ سلف سے خلف تک اسی پر عملدرآمد ہوتا چلا آیا ہے۔

اگر اس رسالہ کی اشاعت کے بعد جماعت "اہل حدیث" نے اپنی معتاد افتراق پسندانہ روش کی اصلاح کر لی تو یہ اس بات کا عملی اعتراف ہوگا کہ اس پر اس مسئلہ کے تمام پہلو بخوبی روشن ہو گئے ہیں۔ اس لئے خلوص نیت کے ساتھ کسی مزید نشریہ کو بیکار سمجھ کر خاموش ہو گئی ہے۔ ورنہ ہر شخص یہ باور کرنے پر مجبور ہوگا کہ یہ لوگ اپنی اقلیت کی زیست

بقا کے لئے اس قسم کی ہنگامہ خیزی اور غوغہ آرائی پر مجبور ہیں۔

یاد رہے کہ ان اوراق میں حوالوں سے صرف ماخذ بتانا مقصود ہے پس جہاں کہیں کسی بیان پر متعدد کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہوں۔ وہاں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ کتابیں اس بیان میں باہم متفق ہیں۔ بلکہ محض یہ جتلانا منظور ہے کہ یہ چیز فلاں فلاں کتاب سے اخذ کی گئی ہے۔ مثلاً پانچویں فصل میں مروزی اور عینی شرح صحیح بخاری کا حوالہ ہے۔ وہاں یہ غرض نہیں کہ یہ سارے نام مروزی اور عینی دونوں نے یکساں قلمبند کئے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ یہ اسماء مبارکہ ان دونوں سے ماخوذ ہیں اسی طرح ایک جگہ ترمذی شریف اور المغنی کا حوالہ ہے وہاں بھی یہ مراد ہے کہ یہ نام ان دو کتابوں سے لئے گئے ہیں نہ یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک نے یہ سارے نام دیئے ہیں۔ اگر قارئین کرام اس تصریح کو ذہن نشین رکھیں گے تو اکثر اشکالوں اور غلط فہمیوں سے محفوظ رہیں گے۔

"اہل حدیث" کے جن بیانات کے اخیر میں کوئی حوالہ نہیں وہ یا تو ان کے زبانی اقوال ہیں جو وقتاً فوقتاً مسموع ہوئے یا وہ جوابات ہیں جن کے دیئے جانے کا ان کی طرف سے احتمال و امکان ہو سکتا ہے میں نے یہ احتمالی جوابات اس کوشش میں دیئے ہیں کہ ابھی سے ان کی طرف سے احتمالی جواب الجواب بھی پیش کر کے بحث کو کوتاہ کیا جائے بعض جگہ ان میں سے کوئی بھی صورت نہیں بلکہ محض سلسلۂ کلام کے اتصال کے لئے یا غرض مقصد کو ذہن نشین کرنے کی خاطر بھی بطور اعتراف حقیقت ان کی طرف سے کچھ لکھدیا ہے۔ کیونکہ ایسا نہ کیا جاتا تو بعض جگہ سلسلۂ کلام بے ربط رہ جاتا۔

مؤلف عفی عنہ
از لاہور

مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۴۲ء

فصل ۱

شارع علیہ السلام کی رکعاتِ تراویح کا بروایتِ صحیح منقول نہ ہونا

اہلِ حدیث ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے آٹھ رکعت تراویح ہی بسندِ صحیح ثابت ہے (انارۃ المصابیح مؤلفہ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی صفحہ ۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نصاب (آٹھ رکعت) خدا کے نزدیک ذکرِ کثیر ہے (ایضاً صفحہ ۱۳)

اہلِ سنت ۔ غلط ہے۔ سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات نماز تراویح پڑھائی تھی لیکن کسی صحیح روایت سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھائیں۔ علامہ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

فانہ ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃً فی رمضان ویوتر بثلاثٍ فرأی کثیر من العلماء ان ذلك ھو السنۃ لانہ قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر واستحب آخرون تسعۃً وثلاثین رکعۃً بناءً علی انہ عملُ اھل المدینۃِ القدیم وقال طائفۃٌ قد ثبت فی الصحیح عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ

کیونکہ ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت رمضان میں پڑھایا کرتے تھے اور تین وتر بھی تو بہت سے علما کا تو خیال ہے کہ یہی سنت ہے کیونکہ انہوں نے تمام مہاجرین اور انصار میں پڑھائی اور کسی نے انکار نہ کیا۔ دوسرے علماء نے انتالیس رکعت مستحب سمجھی ہیں اس بنا پر کہ یہ اہل مدینہ کا پرانا عمل تھا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ صحیح روایت میں حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ علیہ وسلم لم یکن یزید فی رمضان	رمضان یا غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں
ولا فی غیرہ من ثلاث عشرۃ رکعۃ"	پڑھاتے تھے اور اس قاعدہ میں (جو حضرت عائشہؓ
واضطرب فی ھذا الاصل لما ظنوہ من	نے ذکر فرمایا) بہت تردد پیش آیا کیونکہ علماء نے اسے
معارضۃ الحدیث الصحیح لما ثبت من	دوسری حدیث صحیح کے معارض سمجھا کیونکہ یہ ثابت ہے
سنۃ الخلفاء الراشدین وعمل المسلمین	کہ سنت خلفاء راشدین اور عمل مسلمین (دونوں بیس یا
والصواب ان ذالک جمیعہ حسن کما قد	زائد ہیں) اور صحیح یہ ہے کہ سب صورتیں بہتر ہیں جیسے
نص علی ذالک الامام احمد رضی اللہ عنہ	امام احمدؒ نے تصریح کی ہے اور یہ کہ قیام رمضان میں کوئی عدد
وانہ لا یتوقت فی قیام رمضان عددٌ	مقرر نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے
فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یوقت	بارے میں کوئی عدد مقرر نہیں فرمایا۔

فیھا عددًا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۹۱)

علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزید ولا ینقص فقد اخطاء (مرقات جلد ۲ ص ۱۴۵)
جو شخص یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ تراویح کی کوئی مقررہ تعداد ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے قول یا فعل سے) متعین فرمایا ہوا اور اس میں کمی بیشی نہ ہوسکتی ہو تو وہ غلطی پر ہے ۔

ظاہر ہے کہ جب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قول یا فعل سے کسی تعداد کی تعیین نہیں فرمائی۔ تو اس سے ان حضرات کی غلط فہمی پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی جو ۸ رکعت کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بتا رہے ہیں۔ اسی طرح اور سنئے" علامہ سیوطیؒ نقل فرماتے ہیں۔

قال السبکی فی شرح المنہاج اعلم انہ	علامہ سبکیؒ نے شرح منہاج میں لکھا ہے کہ یقین کرو کہ
لم ینقل کم صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	(کسی صحیح روایت میں) منقول نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تلك الليالی هل هو عشرون او اقل قال ومذهبنا ان التراویح عشرون رکعۃ لما روی البیهقی وغیرہ بالاسناد الصحیح عن السائب بن یزید الصحابی رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ والوتر ۔

نے ان راتوں میں کس قدر رکعتیں پڑھائیں بیس یا بیس سے کم؟ لیکن ہمارا مذہب بیس رکعت پڑھنے کا ہے کیونکہ بیہقی وغیرہ نے سند صحیح کے ساتھ سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ سے (عہد فاروقی میں) وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھنے کی روایت کی ہے ۔

(المصابیح فی صلوٰۃ التراویح مترجم مجموعہ ثنائی پریس امرتسر صفحہ ۱۴)

اسی طرح قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں ۔

والحاصل ان الذی دلت علیہ احادیث الباب وما یشابهها هو مشروعیۃ القیام فی رمضان والصلوٰۃ فیہ جماعۃ وفرادی فقصر الصلوٰۃ المسماۃ بالتراویح علی عدد معین وتخصیصها بقراءۃ مخصوصۃ امر یرد به سنۃ (نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۹۹)

اس باب کی حدیثوں کا خلاصہ : قیام رمضان کی مشروعیت اور اس میں نماز ادا کرنا ہے خواہ جماعت سے ہو یا تنہا پس نماز تراویح کو کسی عدد معین پر محدود کرنا یا کسی خاص قرأت کے ساتھ مخصوص کرنا سنت میں وارد نہیں ہوا یعنی سنت نبوی سے رکعات کی معین تعداد یا کوئی خاص قرأت ثابت نہیں ۔

اسی طرح مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رقمطراز ہیں (ما لا بد منہ حاشیہ ۳ صفحہ ۸ ، دیکھئے)

غرض قرون اولیٰ میں نماز تراویح مختلف رکعتوں میں ادا کی جاتی تھی کہیں وتر کے علاوہ چالیس رکعت پڑھتے تھے کہیں چھتیس اور کہیں بیس اور ہندوستان کے "اہل حدیث" تو تمام اسلامی دنیا اور مذاہب اسلام کے برخلاف اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہی بنا

رہے ہیں یعنی اپنی آٹھ رکعت ہی میں مگن ہیں۔ اب جائے غور ہے کہ اگر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کی تعدادِ رکعات کسی صحیح روایت سے ثابت ہوجاتی تو اس اختلاف کا کہیں وجود نہ ہوتا اور حاملین شریعت از خود قلت کو چھوڑ کر کثرت پر عمل پیرا نہ ہوتے۔ سیوطی رقمطراز ہیں۔

ان العلماء اختلفوا فی عددها ولو ثبت ذالک من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلف فیہ کعدد الوتر والرواتب رُوِیَ عن الاسود بن یزید انہ کان یصلیها اربعین رکعۃ غیر الوتر و عن مالکٍ التراویح ست وثلاثون رکعۃ غیر الوتر لقول نافع ادرکتُ الناسَ وھم یقومون رمضانَ بتسعٍ وثلثینَ رکعۃ ویوترون منها بثلٰث۔

علماء میں اختلاف ہے کہ تراویح کی کتنی رکعتیں ہیں اگر رکعتوں کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہوجاتی تو اس بارہ میں اسی طرح کوئی اختلاف نہ پایا جاتا جس طرح وتر اور سنن موکدہ کی تعداد میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسود بن یزید وتر کے علاوہ چالیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ تراویح کی رکعتیں وتر کے علاوہ چھتیس ہیں کیونکہ امام نافعؒ کا بیان ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو رمضان میں ۳۹ رکعت تراویح پڑھتے پایا جن میں وتر رکعتیں داخل ہیں۔ (المصابیح مطبوعہ امرتسر صفحہ ۸-۹)

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اہل مدینہ کے عمل سے بھی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وانما صلی لیالی صلوٰۃ لم یُذکر عددها (المصابیح ص ۳) ولو ثبت عددها بالنص لم تجز الزیادۃ علیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چند رات نماز تراویح پڑھی تو اس کی رکعتوں کی تعداد (کسی صحیح روایت میں) مذکور نہیں اور اگر نص سے اس کی تعداد

لاهل المدينة والصدر الاول كانوا اورع من ذالك ومن طالع كتب المذهب خصوصاً شرح المهذب ورائ تصريحه وتعليله فى وسائلها كقرأتها ووقتها وسن الجماعة فيها بفعل الصحابة واجماعهم علم علم اليقين انه لو كان خبر مرفوع لاحتج به۔ (المصابیح ص ۱۰)	رکعات ثابت ہوجاتی تو اہل مدینہ کو زیادہ رکعتیں پڑھنا جائز نہ ہوتا رحالانکہ صدر اول کے لوگ (متاخرین کی نسبت) بہت زیادہ متقی تھے اور جو کوئی مذہب (شافعی) کی کتابوں کا مطالعہ کرے خصوصاً شرح مہذب اور اس کی تصریح اور تعلیل کو دیکھے جو اس میں تراویح کی قرأت اور وقت کے متعلق کی گئی ہے اور جماعت تراویح کو فعل صحابہ اور اجماع کے ساتھ مسنون بتایا ہے تو اسے علم الیقین کے درجہ میں معلوم ہوجائے گا کہ اگر عدد رکعات کے متعلق کوئی مرفوع حدیث موجود ہوتی تو اس کو بطور دلیل پیش کیا جاتا۔

ان تحقیقات سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام رح کے نزدیک تعداد رکعات کے متعلق کوئی سنت نبوی ثابت نہیں اور اگر آٹھ رکعت تراویح کی حدیث مرفوع جو حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے صحیح ہوتی تو حضرات محدثین یہ کبھی نہ لکھتے کہ رکعات تراویح کی تعداد ہادی انام صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

اہل حدیث ۔ سبکی، شوکانی اور سیوطی رحمہم اللہ کے بیانات غلط ہیں ۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے ۔ ملاحظہ ہو امام محمد بن نصر مروزی رح قیام اللیل ص ۱۶۰ پر لکھتے ہیں۔

حدثنا محمد بن حمید الرازی حدثنا	ہم سے حدیث بیان کی محمد بن حمید رازی نے ،

يعقوب بن عبد الله حدثنا عيسى بن جارية عن جابر رضي الله عنه قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان ثمان ركعات والوتر الحديث۔	انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی یعقوب بن عبداللہ نے انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عیسیٰ بن جاریہ نے انہوں نے روایت کی جابر رض سے کہ جابر رض نے کہا نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں آٹھ رکعت علاوہ وتر کے (رکعات تراویح مولفہ سکرٹری اہل حدیث صفحہ ۷، انارۃ المصابیح مولفہ سیالکوٹی صاحب ص ۲۰)

اہل سنت ۔ کیا اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں ؟

اہل حدیث ۔ ہاں سب نہایت ثقہ ہیں

اہل سنت ۔ محمد بن حمید رازی اور عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق محدثین کی کیا رائے ہے ؟

اہل حدیث ۔ ہاں یہ دونوں بھی نہایت ثقہ ہیں۔ محمد بن حمید رازی ابو عبداللہ نے ابن مبارک وغیرہ سے روایت کی ۔ محمد بن حمید رازی کی نسبت یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے اس سے کوئی خطرہ نہیں اور عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق بھی محدثین نے لاباس بہ لکھا ہے یعنی اس سے بھی کوئی خطرہ نہیں

اہل سنت ۔ آپ نے ان دونوں کے حال پر پردہ ڈال کر ملمع سازی سے کام لیا ہے ۔ یہ دونوں راوی نہایت ضعیف ہیں ۔ اگر محمد بن حمید رازی کو ایک یحییٰ بن معین نے ثقہ بتایا ہے تو نصف درجن سے زیادہ حضرات اس کو ناقابل اعتماد ٹھہرا رہے ہیں ۔ اسی طرح عیسیٰ بن جاریہ کو بھی نصف درجن سے زیادہ ثقات نے ضعیف اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے ۔

محمد بن حُمید رازی امام سخاوی لکھتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ نسائیؒ نے محمد بن حمید رازی کی نسبت کہا ہے کہ ثقہ نہیں۔ یعقوبؒ بن شیبہ کا بیان ہے کہ محمد بن حمید مُنکَر حدیثیں بکثرت روایت کرتا ہے (اگر راوی بہت غلطی کرتا ہو یا غافل یا کثیر الوہم یا فاسق یا بدعتی ہو یا اس کی روایت معتمد لوگوں کے بیان کے خلاف ہو تو اس کی حدیث کو مُنکَر کہتے ہیں) امام بخاریؒ نے فرمایا کہ محمد بن حمید کی حدیث میں احتیاط چاہیئے۔ ابوزرعہؒ نے کہا کہ جھوٹا ہے۔ جوزجانیؒ نے کہا کہ ردی المذہب اور غیر ثقہ ہے۔ اسحٰق کوسج کہتے تھے کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ ابن حمید کذّاب ہے۔ فضلکؒ رازی کا بیان ہے کہ میرے پاس ابن حمید کی پچاس ہزار حدیثیں جمع ہیں لیکن میں ان میں سے ایک حرف بھی کسی سے روایت نہیں کرتا۔ ابوؒ علی نیشاپوری کا بیان ہے کہ میں نے ابن خزیمہ سے کہا کہ اگر آپ ابن حمید سے اسناد لیں تو بہت خوب ہو۔ کیونکہ احمد بن حنبل نے اس کی نسبت اچھی شہادت دی ہے۔ ابن خزیمہ نے جواب دیا کہ امام احمد اس کے حال سے بیخبر ہیں۔ اگر ہماری طرح وہ بھی اس حقیقت سے باخبر ہوتے تو اس کو قطعاً اچھا نہ سمجھتے۔ صالح بن محمد اسدی کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن حمید رازی سے بڑھکر کسی کو خدائے برتر پر جری نہیں پایا۔ یہ شخص لوگوں سے حدیثیں حاصل کرکے ان میں رد و بدل کر لیتا تھا۔

صالح بن محمد یہ بھی کہتے تھے کہ میں نے دو شخصوں کے برابر دنیا میں کسی کو دروغ گو نہیں دیکھا ایک محمد بن حمید رازی اور دوسرا سلیمان شاذکونی صالح جزرہ کہتے ہیں کہ ابن حمید کو ہم بیان میں جھوٹا سمجھتے تھے میں نے اس شخص سے بڑھکر کسی کو حق تعالیٰ پر زیادہ جری نہیں پایا۔ لوگوں سے حدیثیں حاصل کرکے ان میں رد و بدل کر لیتا تھا ابن خراش کہتے ہیں کہ ابن حمید نے ہم سے حدیث کی روایت کی لیکن خدا کی قسم وہ جھوٹ بولتا تھا اور متعدد حضرات سے منقول ہے کہ ابن حمید حدیثیں چراتا تھا۔ ابونعیم کا بیان ہے کہ ابوحاتم رازی کے پاس مشائخ رہے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت بیٹھی تھی ابن حمید کا تذکرہ چھڑ گیا سب نے بالاتفاق کہا کہ وہ حدیث میں نہایت ضعیف ہے ایسی ایسی حدیثیں روایت کرنے لگتا ہے جو اس نے کہیں سے سنی نہیں ہوتیں ان کی ایک عادت یہ تھی

کہ بصریوں اور کوفیوں کی حدیثیں حاصل کرکے رازیوں کی طرف سے روایت کر دیتا تھا۔
(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۲۹ - ۱۳۰، میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۵۰)

عیسیٰ بن جاریہ | دوسرے راوی عیسیٰ بن جاریہ مدنی کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی درجۂ ثقاہت سے گرا ہوا ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ تقریب میں لکھتے ہیں کہ فیہ لین (وہ روایت حدیث میں کمزور ہے) اور فرماتے ہیں کہ یہ چوتھے درجہ کا آدمی (یعنی ثقہ) نہیں) ہے (تقریب التہذیب مطبوعہ دہلی ص ۲۹۵) اور علامہ ممدوح "تہذیب التہذیب" میں رقم فرما ہیں، کہ یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ کے پاس منکر حدیثیں ہیں نسائی نے کہا کہ منکر الحدیث ہے اور اس سے جو حدیثیں پہنچی ہیں وہ متروک ہیں۔ امام ابوداؤد محدث نے بھی فرمایا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث ہے اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ میں اس کو نہیں پہچانتا۔ وہ منکر حدیثیں روایت کرتا تھا۔ اسی طرح ساجی اور عقیلی نے بھی عیسیٰ بن جاریہ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ ابن جاریہ کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۰۷، میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۳۱۱)

غرض جس روایت میں پے در پے دو راوی ضعیف ہوں اس سے استدلال کرنا اور اس کو اس طمطراق سے پیش کرنا گویا وہ کوئی حدیثِ متواتر یا بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی ہی کو زیب دیتا ہے اگر اس قسم کی کوئی لنگڑی لولی روایت ہمارے دعوے کی موید ہوتی تو ہمیں کبھی اس کے اظہار تک کی جرأت نہ ہوتی چہ جائیکہ اس کو بار بار پیش کرکے اس پر اتراتے اور زمین آسمان کے قلابے ملا کر چیلنج پر چیلنج شائع کرتے۔

نے اسے ضعیف بتایا ہے۔ دیکھو تہذیب التہذیب (جلد ۱۱ ص ۱۹۳) میزان الاعتدال ذہبی جلد ۳، تعلیقاً (ایضاً) صفحہ ۳۲۴) امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس سے تخریج کی ہے

اہل حدیث۔ اچھا اگر آپ دونوں روایتوں کو مسترد کرتے ہیں تو ہم آٹھ رکعت تراویح کے سنت رسول اللہ ہونے کی تائید میں ایک اور حدیث پیش کرتے ہیں سنئے۔ امام محمد بن نصر مروزی" نے کتاب قیام اللیل میں جابر" سے روایت کی ہے کہ ابی بن کعب" رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! رات ایک بات ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کیا بات ہوگئی؟ ابی نے عرض کیا کہ میرے گھرانے کی عورتوں نے کہا کہ ہمیں قرآن یاد نہیں۔ اس لئے ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے اور تمہاری اقتدا کریں گے۔ تو میں نے ان کو وتر اور آٹھ رکعتیں پڑھا دیں۔ آنحضرت" نے یہ سن کر سکوت کیا گویا اس بات کو پسند فرمایا۔ رواہ ابو یعلیٰ واورده الہیثمی فی مجمع الزوائد۔ (رکعات تراویح مولفہ سکرٹری صاحب صفحہ ۸)

اہل سنت۔ یہاں بھی آپ کے دونوں مریض محمد بن حمید رازی اور عیسیٰ بن جاریہ بستر علالت پر پڑے ہیں۔ پہلے ان دونوں کا علاج کرالیجئے اس کے بعد پھر کوئی اور بات کہئے۔

اہل حدیث۔ آپ نے حضرت جابر کی تیسری حدیث کو بھی ضعیف ثابت کرنے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ شیخ ابن حجر عسقلانی" نے حدیث جابر" کو قابل وثوق بتایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے حدیث مذکورہ بالا کی کسی سند میں یہ نہیں دیکھا ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں لیکن ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابرؓ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں پس یہ روایت صحیح ہے یا حسن ہے ضعیف نہیں ہے کیونکہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴ میں اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ ہم جو حدیث فتح الباری میں ذکر کریں گے۔ وہ یا صحیح ہوگی یا حسن (رکعات تراویح مولفہ سکرٹری صاحب صفحہ ۶)

اہل سنت ۔ غلط ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ ہم جو حدیث بھی فتح الباری میں درج کریں گے۔ وہ صحیح یا حسن ہوگی۔ سیکرٹری صاحب! جب آپ لوگ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں اور بزعم خود دوسروں کو بھی حق ہی کی طرف بلاتے ہیں۔ تو پھر جھوٹ بول کر اپنا الو سیدھا کرنے کی اتنی کوشش کیوں ہے۔ حق تعالیٰ آپ لوگوں کو عصبیت جاہلیت سے نجات بخشے اور اگر بالفرض علامہ ممدوح نے ایسا لکھا ہی ہوتا تو بھی کسی طرح درخور التفات نہ تھا۔ کیونکہ (۱) انہوں نے خود ہی اپنی بیش بہا تالیفات تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب میں عیسٰی بن جاریہ کو ضعیف بتایا ہے اور اس کی بُری طرح گت بنائی ہے (۲) انہوں نے شرح نخبۃ الفکر میں حدیث صحیح یا حسن کی جو تعریف کی ہے۔ وہ عیسٰی بن جاریہ کی روایت پر صادق نہیں آتی (۳) اگر حافظ ابن حجر نے واقعی یہ فرمایا ہے کہ ہم جو حدیث بھی فتح الباری میں درج کرینگے وہ صحیح ہوگی یا حسن ہوگی" تو حضرات اہل حدیث بیس رکعت تراویح کی ان روایتوں پر کیوں عمل پیرا نہیں جن کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں درج فرمایا ہے مثلاً یزید بن خصیفہ کی صحیح روایت (دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۸۰)

اور یزید بن رومان رحمہ اللہ کی روایت دیکھو فتح الباری جلد ۴ ص (۲۸)
چوتھی وجہ یہ کہ امام مالکؒ آٹھ رکعت تراویح کے قائل نہ تھے بلکہ ان کا مسلک ۳۶ رکعت کا تھا۔ کما سیاتی[1]۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ تراویح پڑھنے کی کوئی روایت بھی قابل وثوق نہیں ہے پس مقدسین اہل حدیث جو ہر جگہ حدیث جابرؓ کا رونا رو رہے ہیں انہیں ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اس حدیث کی کچھ بھی اصلیت نہیں بلکہ محض عیسٰی بن جاریہ کی افسانہ تراشی ہے۔

اور حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ رکعت پڑھنے کی حدیث درایۃً بھی صحیح نہیں کیونکہ تراویح کی تیسری رات تو آپ نماز عشاء سے فراغت پاکر ساری رات تراویح اور وتر میں مصروف رہے تھے یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ کو یہ خطرہ محسوس ہوا تھا کہ شاید سحری کھانے کا وقت نہ مل سکیگا۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں۔

فَقَامَ بِنَا حَتّٰی خَشِیْنَا — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ برابر نماز پڑھتے رہے۔
اَنْ یَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ — یہاں تک کہ ہمیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ سحری کا کھانا نہ کھا سکینگے

اور اگر عیسٰی بن جاریہ کے بیان کو صحیح باور کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ ساری رات گیارہ رکعتوں میں بیت گئی اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ قرأت یا رکوع وسجود میں معمول و معتاد سے بہت زیادہ طوالت اختیار کی گئی ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا اور اگر

---

[1] دیکھو چوتھی فصل جہاں دسویں روایت کے ذیل میں گیارہ اقوال سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام مالکؒ کا مذہب چھتیس رکعت تراویح کا تھا۔

ایسا ہوتا تو جس طرح حضرت ابو ذرؓ نے نماز تراویح کی حدیث میں تاخیر سحر کا ذکر فرمایا ہے یا جس طرح نماز خسوف کی حدیثوں میں قرأت اور رکوع وسجود کی تطویل مذکور ہے۔ اسی طرح لازم وضرور ہے کہ تراویح کی حدیثوں میں بھی قرأت کی غیر معمولی تطویل یا رکوع وسجود کی حد سے بڑھی ہوئی درازی کا ذکر ہوتا۔ نماز خسوف کے متعلق ابن عباس کا بیان ہے

فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ الْبَقَرَةِ (بخاری ومسلم)

آنحضرت نے بڑا طویل قیام کیا اور سورہ بقر کے برابر لمبی قرأت پڑھی۔

اور ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں۔

مَا رَكَعْتُ رُكُوعًا قَطُّ وَلَا سَجَدْتُ سُجُودًا قَطُّ كَانَ أَطْوَلَ مِنْهُ (بخاری ومسلم)

میں نے کبھی رکوع وسجود ایسا نہیں کیا جو نماز خسوف کے رکوع وسجود سے زیادہ طویل ہو۔

چونکہ تمام روایات نماز تراویح کی کسی ایسی نمایاں خصوصیت کے ذکر سے خالی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے وتر سمیت تیئیس۲۳ یا شاید اس سے بھی زیادہ رکعتیں پڑھائی ہوں گی۔ ورنہ یہ امر کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ معتاد قرأت اور معمولی رکوع وسجود کے ساتھ ساری شب گیارہ رکعتوں کی نذر ہو گئی ہو۔

اہل حدیث ۔ آپ نے آٹھ رکعت تراویح کے سنت نبوی ہونے کی تمام روایتوں کو رد کر دیا حالانکہ آٹھ رکعت تراویح کا سنت نبوی ہونا تمام اکابر حنفیہ نے تسلیم کیا ہے چنانچہ شیخ ابن الہمامؒ نے جو حنفیوں میں بڑے پایہ کے عالم ہوئے ہیں۔ کتاب فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ قیام رمضان جو سنت ہے وہ وتر سمیت گیارہ رکعت ہے۔ جیسے آنحضرتؐ نے باجماعت اپنے فعل سے ادا کیا۔ اسی طرح علامہ عینی حنفی جو مذہب حنفی کی

کی حمایت میں اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ صدیقہ کی گیارہ رکعت والی حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ آپ نے صحابہؓ کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے ہیں لیکن صحابہؓ نے اس بات پر اجماع کیا کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ اسی طرح امام زیلعیؒ تخریج الہدایہ میں قیام ماہ رمضان کے باب میں پہلے صحیح ابن حبان والی روایت کا ذکر کرتے ہیں۔ جو حضرت جابر انصاری سے مروی ہے کہ آنحضرت نے رمضان میں صحابہ کے ساتھ قیام کیا اور ان کو آٹھ رکعات پڑھائیں اور وتر بھی پڑھے اسی طرح مولانا عبدالحی لکھنوی نے جو زمانہ حال کے حنفیہ میں تبحرِ علوم اور حدیث دانی میں بے مثل ہوئے ہیں۔ موطاء امام محمدؒ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابرؓ کی حدیث سے روایت کیا کہ آپ نے صحابہ کو آٹھ رکعات پڑھائیں اور پھر وتر پڑھے اور یہ بہت صحیح ہے۔" مذکورہ بالا علماء حضرات حنفیہ کے گھر کے گواہ ہیں۔ ان کی تصریحات سے صاف واضح ہے کہ آٹھ رکعات والی صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ کی حضرت جابر والی حدیث سب کے نزدیک صحیح ہے۔ (انارۃ المصابیح مؤلفہ سیالکوٹی صاحب ص ۱۴-۱۹) اور علی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں کہ اصل میں تراویح گیارہ رکعت ہی ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے اور طحطاوی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح آٹھ رکعت ہی پڑھی ہے" اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کتاب "ما ثبت بالسنہ" میں لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ رکعت تراویح سے زیادہ ثابت نہیں (سیکرٹری صاحب انجمن اہل حدیث برانڈرتھ روڈ لاہور کی دو ورقی جو انہوں نے نومبر ۱۹۳۰ء میں شائع کی تھی)

اہل سنت۔ سیالکوٹی صاحب اور ان کے ارادت مند سکرٹری صاحب کی متذکرہ صدر تحریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ بعض متاخرین حنفیہ جن کے اسماء گرامی انہوں نے زیب رقم کئے ہیں۔ حدیث جابرؓ کی بنا پر آٹھ رکعت تراویح کو سنت نبوی قرار دیتے تھے۔ اگر بالفرض ان دونوں صاحبوں کے بیانات صحیح ہیں اور واقعی بیان کردہ علماء احناف رحمہم اللہ نے یہی لکھا ہے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ضرورت داعی نہ ہونے کے باعث وہ درپے تحقیق نہ ہوئے ہوں گے۔ اور انہوں نے محض اس شہرت کی بنا پر آٹھ رکعت کو سنت نبوی خیال کر لیا ہوگا کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور اس امر کو ہر فہمیدہ انسان تسلیم کرے گا کہ علماء سے بھی لغزش ہو جاتی ہے اور اس سے انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بھی بچا ہوا نہیں۔ لغزش انبیاء کرام سے بھی ہو جاتی تھی مگر وہ خطا پر مستمر نہیں رہتے تھے۔ کیونکہ ان کو فوراً وحی سے تنبیہ کر دیا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل کے پر خود غلط "اہل حدیث" نے بیس رکعت کی نفی کرتے ہوئے جب آٹھ رکعت کے سنت نبوی ہونے پر زور دیا تو ہم نے دریائے تحقیق کی غواصی شروع کر دی۔ آخر بعد تفتیش و تفحص اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان کی روایت جس کی بنیاد پر اتنی بڑی بڑی سر بفلک عمارتیں کھڑی کی جا رہی ہیں اور سیالکوٹی صاحب کی جماعت نے اتنا اودھم مچا رکھا ہے اور اہل سنت و جماعت مطعون کئے جا رہے ہیں۔ سرے سے نہایت ضعیف اور قطعی ناقابل عمل ہے۔ اگر دور حاضر کی طرح ان علمائے حنفیہ نور اللہ قبورہم کے سامنے بھی بیس رکعت تراویح کے ثبوت سے انکار کیا جاتا اور ہماری طرح ان کو بھی راویوں کے کھوٹا کھرا پن پرکھنے کے لئے محک امتحان سے کام لینے کی

ضرورت پیش آتی تو یہ کبھی ممکن نہ تھا کہ وہ آٹھ رکعت کو سنت نبوی قرار دیتے ۔ سیالکوٹی پارٹی نے ان کی اس بے التفاتی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سخت دھاچوکڑی مچا رکھی ہے لیکن میں سیالکوٹی صاحب اور ان کی پارٹی کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ بڑوں بڑوں سے فرد گزاشت ہو جاتی ہے ۔ یہ علماء حنفیہ جن کے نام مولنا سیالکوٹی صاحب اور سیکرٹری صاحب نے درج کئے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد تھے ۔ اگر بالفرض خود حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بھی کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اس غلطی کی پیروی جائز نہیں ، چہ جائیکہ ان کے مقلدوں کی فرو گزاشت کسی پر حجت ہو سکے ۔ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ سے کہا گیا کہ عبداللہ بن مبارکؒ تو اس مسئلہ میں یوں کہتے ہیں ۔ فرمایا عبداللہ بن مبارک کچھ آسمان سے نہیں اترے ہیں ۔ اسی طرح کسی نے یوں فرمایا تھا ۔ امامؒ نے جواب دیا تم میرے سامنے سنت کی واضح دلیل پیش کرو اور اصل کو لازم پکڑو جب دل میں کسی کی بزرگی سمائی ہو تو اس کی وجہ سے حکم شریعت نہیں چھوڑا جائے گا ۔ (تلبیس ابلیس ابن جوزیؒ)

اس سے قطع نظر حضرات مذکورین رحمہم اللہ نے حدیث جابرؓ کی نسبت یہ کہیں نہیں لکھا کہ یہ صحیح الاسناد ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں ۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے راویوں کی فرداً فرداً تحقیق کئے بغیر محض ناقلانہ حیثیت سے اس روایت کو درج کر دیا ہے اور اگر کبھی اس کے راویوں کو جرح و تعدیل کے معیار پر پرکھنے کی نوبت آتی ، تو ہماری طرح وہ حضرات بھی ابن جاریہ کی روایت کی صحت سے انکار کر دیتے ۔ اور اگر بالفرض کسی نے حدیث جابرؓ کو صحیح الاسناد لکھا ہے تو اس نے ایسا لکھنے میں غلطی کی ہے ۔ الغرض مولانا ابراہیم صاحب اور ان کے پیرووں کو حنفی علماء کی آڑ لینا

کسی طرح مناسب نہیں۔ ہاں ان کے پاس کوئی صحیح حدیث ہو۔ تو اس کو شوق سے پیش کریں لیکن وہ اس قسم کی کوئی حدیث قیامت تک پیش نہیں کرسکیں گے۔

اہل حدیث۔ آئمہ محدثین تمام کے تمام آٹھ رکعت تراویح کی حدیث کو بالاتفاق صحیح جانتے ہیں (انارۃ المصابیح۔ مولفہ مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی ص ۲۰)

اہل سنت۔ وہ کونسی حدیث ہے جس کو آئمہ محدثین بالاتفاق صحیح مانتے ہیں؟ اگر ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ حضرت احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے تو وہ گیارہ رکعتیں وتر سمیت تہجد کی تھیں۔ چنانچہ انشاء اللہ العزیز فصل دوم میں اس کو بدلائل ثابت کیا جائیگا اور اگر سیالکوٹی صاحب نے اس سے حدیث جابر رضی اللہ عنہ مراد لی ہے تو وہ کسی طرح معیار صحت پر پوری نہیں اترتی۔ چنانچہ اسی فصل میں اس حدیث کے راوی محمد بن حمید رازی اور عیسیٰ بن جاریہ کا کچا چٹھا درج کرکے اس کا ضعف ثابت کیا جا چکا ہے۔

اہل حدیث۔ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ محدثین نے حدیث جابرؓ کو صحیح کہا ہے (مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی کا مضمون مندرجہ "اہل حدیث" امرتسر مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۸ء)

اہل سنت۔ اگر سیالکوٹی صاحب اپنے دعوے میں صادق تھے۔ تو ان پر لازم تھا کہ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ محدثینؒ کی عبارتیں نقل کرکے اور حوالہ دے کر بتایا ہوتا کہ انہوں نے کس کس کتاب کے کس کس صفحہ پر اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور اگر بالفرض کسی نے صحیح ہی کہا ہو تو بھی اس کا قول قابل التفات نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث جابرؓ جو محض عیسیٰ بن جاریہ کا افترا ہے۔ کسی طرح صحیح حدیث کے معیار پر پوری نہیں اترتی اور

عیسیٰ بن جاریہ کے سوا دنیا میں کوئی راوی ایسا نہیں جس نے آٹھ رکعت تراویح کا پڑھنا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیا ہو۔ چنانچہ طبرانی معجم صغیر میں عیسیٰ بن جاریہ کی حدیث جابرؓ نقل کرکے اخیر میں لکھا ہے۔ لایروی عن جابر بن عبداللہ الابھذا الاسناد یعنی عیسیٰ بن جاریہ کی سند کے سوا اس حدیث کی اور کوئی سند نہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ جتنے راویوں نے بھی عیسیٰ بن جاریہ کی روایت نقل کی۔ ان کے سلسلہ رواۃ میں یعقوب قمی ضرور آتا ہے حالانکہ یعقوب قمی بھی ضعیف ہے۔ چنانچہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں لا اعلم احدًا روی عنہ غیر یعقوب القمی (میں نہیں جانتا کہ یہ حدیث یعقوب قمی کے سوا کسی دوسرے راوی نے بھی عیسیٰ بن جاریہ سے روایت کی ہو۔ کتاب الجرح والتعدیل لابی حاتم الرازی مطبوعہ حیدرآباد جلد ۳ ص ۲۷۳) اور لطف یہ ہے کہ خود امام مالکؒ نے جو حدیث جابرؓ کے اہم ترین راوی ہیں۔ اس حدیث کو قابل عمل نہیں سمجھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ آٹھ رکعت کی سنت نبویؐ سمجھتے ہوئے چھتیس رکعت کو اپنا مذہب قرار دیتے اور نویں فصل کے مطالعہ سے قارئین کرام کو حق الیقین معلوم ہو جائیگا کہ امام مالک کا مذہب چھتیس رکعت تراویح کا تھا

اہل حدیث بہت سے حنفی محققین نے لکھا ہے کہ بیس رکعت تراویح میں سے آٹھ رکعت سنت رسول اللہ ہے اور باقی بارہ رکعت نفل ہیں۔

اہل سنت ۔ اگر کسی نے یہ لکھا ہے۔ تو غلط لکھا ہے۔ ہاں خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ چھتیس میں سے بیس رکعت سنت اور باقی سولہ مستحب ہیں۔ چنانچہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ رقم فرماتے ہیں۔

تراویح ہمارے نزدیک بیس رکعت ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ تراویح چھتیس رکعت مسنون ہے بعض کا قول ہے کہ جو شخص امام مالک کے مسلک پر چل کر چھتیس رکعت پڑھنا چاہے تو وہ ایسا کرنے کا مجاز ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ پہلے سنت کے مطابق بیس رکعت جماعت سے پڑھیں اور باقی سولہ رکعتیں تنہا تنہا پڑھی جائیں۔ یہی ہمارا مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام کی تمام چھتیس رکعتوں کو با جماعت ادا کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ امام مالک نے فرمایا ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک نوافل کو باجماعت ادا کرنا مستحب ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر نوافل کی جماعت (بتداعی) مستحب ہوتی۔ تو مجتہدین عظام جو قائم اللیل تھے ضرور ایسا کرتے اور (بجز ان مواقع کے جو نصوص سے ثابت ہیں) نوافل کا باجماعت پڑھا جانا نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں منقول ہے اور نہ عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اور نہ تابعین وغیرہ کے زمانہ میں۔ پس یہ قول کہ ۲۰ رکعت کے بعد سولہ رکعتیں بھی باجماعت ادا کی جائیں۔ ساری امت کے خلاف ٹھہرتا ہے۔ (مبسوط سرخسی مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۴۴)

اسی طرح علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

امام پانچ ترویحے پڑھائے تاکہ مجموعہ بیس رکعت ہو جائے۔ یہی ہمارا اور امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے اور قاضی نے جمہور علماء سے یہی نقل کیا ہے اور مروی ہے کہ اسود بن یزیدؒ ہر رات چالیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور امام مالکؒ کے نزدیک نو ترویحے یعنی وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں ہیں۔ امام مالکؒ نے اہل مدینہ کے عمل سے تمسک کیا ہے اور اصحاب شافعیہ نے اپنے بیس رکعت کے مسلک

پر بیہقی کی اس صحیح روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت سائب بن یزید صحابی فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ و تابعین حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ایام خلافت میں بھی بیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور مغنی میں روایت کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھا دے اور کہا ہے کہ بیس رکعت تراویح پر گویا اجماع قائم ہے اور امام مالکؒ نے جو چھتیس رکعت تراویح بتائی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل مکہ ہر ترویحہ (چار رکعت) کے بعد طواف کر کے دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ البتہ پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔ پس اہل مدینہ نے بھی اس فضیلت کا قصد کیا پس انہوں نے ہر طواف کی جگہ دو دو رکعت پڑھنی شروع کیں۔ اس پر بیس پر سولہ رکعت کا اضافہ کر لیا حالانکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سب سے زیادہ اتباع کے قابل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو کوئی اس مسئلہ میں امام مالکؒ کی پیروی کرنا چاہے وہ اس کا مجاز ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ بیس رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں جیسا کہ مسنون ہے اور باقی (سولہ رکعت) تنہا پڑھیں۔ کیونکہ یہ سولہ رکعت تراویح نہیں بلکہ نفل ہیں اور نفلوں کی جماعت (بجز ان نوافل کے جن کا جماعت سے پڑھنا مسنون ہے) مکروہ ہے۔ (عینی شرح ہدایہ مطبوعہ نولکشور جلد اول ص ۸۶۷)

اور سنئے ہم نے بدلائل قاطعہ ثابت کر دیا ہے کہ حدیث جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ محض عیسیٰ بن جاریہ کا افترا ہے اور اس کے سوا دنیا میں کوئی ایسا راوی نہیں جس نے بیان کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہیں۔ باایں ہمہ ہم کہتے ہیں کہ اگر بفرض محال سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت

تراویح جماعت کے ساتھ پڑھی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے اس سے زائد تراویح کی کوئی اور رکعت نہیں پڑھی۔ کیونکہ گمان غالب یہ ہے کہ آپ نے ان آٹھ رکعتوں سے پہلے اور پیچھے اور رکعتیں بھی پڑھی ہوں۔ کیونکہ آنجناب کا معمول تھا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں شب بیدار رہتے تھے۔ حضرت جابرؓ نے اپنی روایت میں ہرگز یہ نہیں کہا کہ آپ نے ہر روز گیارہ رکعتیں پڑھیں اور نہ یہ کہا کہ آپ نے ان کے سوا کوئی اور رکعت نہیں پڑھی بلکہ محض ایک دن کی نماز با جماعت کا ذکر فرمایا ہے۔

فصل ۲

تہجد اور تراویح کی مغائرت

اہل حدیث۔ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو مختلف نام ہیں۔ تراویح وہی نماز ہے جس کا نام قیام اللیل یا صلوٰۃ اللیل ہے! ور اس نماز کا نام رمضان شریف میں قیام رمضان ہے۔ (رکعات تراویح مرتبہ سیکرٹری صاحب صفحہ ۴)

اہل سنت۔ اگر تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے تو پھر آپ لوگ رمضان کی طرح سال کے دوسرے گیارہ مہینوں میں تراویح کیوں نہیں پڑھتے؟

اہل حدیث۔ تراویح کو صرف رمضان میں اور تہجد کو غیر رمضان میں پڑھنے کا حکم ہے۔

اہل سنت ۔ یہ حکم کس آیت یا روایت میں مذکور ہے۔

اہل حدیث ۔ (لاجواب وخاموش)

اہل سنت ۔ کیا رمضان المبارک میں اس شخص کے لئے شرعاً تہجد پڑھنے کی کوئی ممانعت وارد ہے جو تراویح پڑھ چکا ہو۔

اہل حدیث ۔ ایک رات میں تراویح اور تہجد کا جمع کرنا مسنون طریقہ نہیں۔

اہل سنت ۔ دعوے کے لئے دلیل چاہئے لیکن آپ اس دعوے کی دلیل قیامت تک نہیں لا سکیںگے۔ اچھا سنئے۔ حدیث ابوذرؓ میں ہے۔ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهُ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِيْنَا أَنْ يَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ ۔

(جب تراویح کی تیسری رات ہوئی تو ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اور آپ نے ہمارے ساتھ اتنا قیام کیا کہ ہمیں سحری کا وقت جاتے رہنے کا خدشہ لاحق ہوا (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء کے بعد جو تراویح پڑھانی شروع کی تو اس اثنا میں پچھلی رات ہوگئی اور تہجد کا وقت آگیا لیکن آپ نے اپنے قیام کو جاری رکھا اور اسی قیام میں نماز تہجد بھی پڑھا دی یا دوسرے لفظوں میں دونوں کو باہم ممزوج کر دیا۔ دیکھئے خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے ایک رات میں تراویح اور تہجد دونوں نمازوں کا جمع کرنا ثابت ہوگیا اور یہ سمجھنا کہ آنسرورؐ کی ساری نماز تراویح تھی صحیح نہیں کیونکہ اس لحاظ سے کہ نماز تہجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی۔ آپ کو صبح صادق سے پہلے اسے لامحالہ ادا کرنا تھا۔ زرقانیؒ لکھتے ہیں۔

كان قيام الليل فرضاً عليه صلى الله عليه وسلم   نماز تہجد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی۔
دون امتہ (زرقانی شرح موطا جلد اول ص ۲۱۱)   امت پر فرض نہ تھی۔

جب تراویح پڑھتے پڑھتے نماز تہجد کا وقت آجاتا تھا تو عہد نبوی کی طرح خلافت راشدہ میں بھی تراویح اور تہجد کو باہم ملا دیتے تھے اور پڑھتے پڑھتے آخر شب کر دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ کا بیان ہے کہ جب ہم رمضان میں قیام (تراویح اور تہجد) سے فراغت پاکر لوٹتے تو اس خیال سے خادموں کو کھانا لانے کی جلدی کرتے کہ مبادا سحر کا وقت جاتا رہے (موطاے امام مالکؒ) اس سے بھی ثابت ہوا کہ تراویح اور تہجد دونوں نمازیں پڑھی جاتی تھیں یا باہم ملاکر ایک کر دی جاتی تھیں اور یہ تداخل تمام نفلی نمازوں میں مشروع ہے۔ مثلاً اگر خسوف قمر کی نماز پچھلی رات میں پڑھی جائے تو تہجد بھی ادا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح چاشت کے وقت آفتاب کو گہن لگے تو صلوٰۃ کسوف کے ساتھ صلوٰۃ ضحیٰ بھی ادا ہو جاتی ہے اور گو یہ نمازیں الگ الگ ہیں۔ مگر ثواب دونوں کا حاصل ہوتا ہے پس جن راتوں میں سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ نے اخیر رات تک نماز جاری رکھی گو ان میں تراویح کے بعد تہجد ادا کر کے دونوں نمازوں کو متمیز نہیں فرمایا۔ تو بھی دونوں ادا ہو گئیں۔

اور گو کسی روایت میں صراحتہً مذکور نہیں مگر یہ بالکل ممکن ہے کہ آپ نے پہلے تراویح کی بیس اور اس کے بعد تہجد اور وتر کی گیارہ یا زیادہ رکعتیں پڑھائی ہوں کیونکہ یہ امر کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ رات بھر میں گیارہ رکعتیں ہی پڑھی گئی ہوں ماہ صیام کے اندر عبادت میں آپ کا غیر معمولی انہماک اس بات کو مقتضی ہے کہ رکعتوں کی تعداد بہت کثیر ہو کیونکہ اگر آپ گیارہ رکعتوں میں ہی ساری رات گذار دیتے اور

ہر رکعت میں غیر معمولی طویل قرأت فرماتے تو رمضان میں اس تطویل قرأت کے ذکر سے کبھی خاموش نہ ہوتیں۔

اہلِ حدیث ۔ اچھا ایک متفق علیہ حدیث جس سے آپ کو بھی چون و چرا کی گنجائش نہ ہوگی پیش کی جاتی ہے اس سے ثابت ہوگا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں بخاری اور مسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض کے صاحبزادہ ابوسلمہ رض سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے پوچھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیونکر تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت (مع وتر) سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں" اس حدیث میں سائل رمضان شریف کی نماز پوچھ رہا ہے نہ صرف تہجد کی۔ ورنہ رمضان کی قید بیکار ہے۔ (رکعات تراویح مرتبہ سیکرٹری صاحب صفحہ ۳۰ - ۳۱) چونکہ اس متفق علیہ حدیث میں شارع علیہ السلام کا قیام اللیل گیارہ رکعت مذکور ہے اور قیام اللیل تراویح اور تہجد سب کو محیط ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت تراویح ہی وتر سمیت ادا فرمایا کرتے تھے۔

اہلِ سنت ۔ اس روایت کو نماز تراویح سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اُم المومنین رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو رمضان اور غیر رمضان تمام مہینوں میں پڑھی جاتی ہے۔ ابوسلمہ کو شبہ ہوا تھا کہ رمضان المبارک عبادت کا مہینہ ہے حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اس میں عبادت الٰہی کے لئے خاص طور پر شب بیدار رہتے تھے اس لئے عجیب نہیں کہ آپ رمضان میں رکعاتِ تہجد کو بھی بڑھا دیتے ہوں گے اس شبہ کی بنا پر انہوں نے تہجد رمضان کے متعلق استفسار کیا۔ لیکن

اُمّ المومنین نے فرمایا کہ نہیں آپ رمضان اور غیر رمضان میں عموماً وتر سمیت گیارہ رکعت ہی پڑھا کرتے تھے۔ مَا کَانَ یَزِیْدُ (زیادہ نہیں کرتے تھے) میں نفیٔ زیادت خود اس امر کا قرینہ ہے کہ یہ سوال اس نماز کے متعلق تھا جس کی رکعتیں سائل کو پہلے سے معلوم تھیں اور اب بوجہ رمضان ان میں اضافہ کا احتمال تھا۔ ظاہر ہے کہ تراویح تو غیر رمضان میں مشروع ہی نہیں پس رمضان میں اس کی زیادتی کا اشتباہ بے محل تھا۔ البتہ تہجد کے متعلق نفیٔ زیادت صحیح ہو سکتی ہے اور جواب میں حضرت صدیقہؓ کا نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں فرمانا اس بات کا صاف قرینہ ہے کہ تراویح سے متعلق سوال نہ تھا کیونکہ تراویح تو غیر رمضان میں ہوتی نہیں بلکہ سوال تہجد کی نسبت تھا جو سال بھر میں یکساں ادا کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ خود حدیث مذکور کے الفاظ صراحۃً دال ہیں کہ سوال تہجد کے متعلق تھا۔ کیونکہ خود ابوسلمہؓ نے اسی سلسلۂ استفسار میں ام المومنینؓ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے پہلے سو جاتے تھے تو ام المومنینؓ نے جواب دیا کہ میں نے آنحضرتؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن دل بیدار رہتا ہے (یعنی) سو جاتا ہوں۔ بخاری و مسلم) اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ سوال تہجد ہی کے متعلق تھا کیونکہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا تہجد کے بعد وتر سے پہلے تو محو خواب ہونا ثابت ہے تراویح اور وتر کے درمیان سونا ثابت نہیں۔ اس کے علاوہ اگر حدیث صدیقہ رضؓ کو تراویح پر بھی مشتمل سمجھا جائے تو یہ مضطرب ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم فرما ہیں۔

وقال طائفۃ قد ثبت فی الصحیح عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لم یکن یزید فی رمضان ولا فی غیرہ من ثلاثۃ عشرۃ رکعۃ واضطرب فی هذا الاصل لما ظنوہ من معارضۃ الحدیث الصحیح لما ثبت من سنۃ الخلفاء الراشدین وعمل المسلمین ۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد اول صفحہ ۱۸۵)

ترجمہ علماء کی ایک جماعت کے حسب بیان اُم المومنین عائشہؓ صحیح حدیث میں فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے پس اس اصل میں اختلاف ہے کیونکہ یہ اس بنا پر اس حدیث صحیح کی معارض ہے جس میں خلفائے راشدین کی سنت اور مسلمانوں کا عمل (بیس رکعت) مذکور ہے]

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صدیقہؓ کی حدیث نماز تراویح سے غیر متعلق ہے۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ نماز تہجد کے متعلق فرمایا۔

یہاں یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ ام المؤمنین صدیقہؓ کی حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ (یا تیرہ) رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس کے راوی امام مالکؒ ہیں اگر یہ حدیث تراویح پر بھی مشتمل ہوتی تو ضرور تھا کہ امام مالکؒ کا مذہب آٹھ رکعت تراویح کا ہوتا حالانکہ امام مالک چھتیس رکعت تراویح کے قائل تھے (چنانچہ نویں فصل میں انشاء اللہ العزیز اس دعوے کے دلائل پیش کئے جائیں گے) اگر حدیث عائشہؓ کے مفہوم میں نماز تراویح بھی داخل ہوتی تو امام مالکؒ چھتیس رکعت کے بجائے آٹھ رکعت پر عمل پیرا ہو کر سنت نبوی کا احیاء فرماتے مگر چونکہ وہ آٹھ رکعت کے قائل نہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ حدیث عائشہؓ کا تعلق صرف تہجد سے ہے۔

اہل حدیث - یہ عذر کہ تراویح اور تہجد دو الگ نمازیں ہیں، سخت بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے اول اس وجہ سے کہ بیس تراویح والی روایت باتفاق محدثین ضعیف ہے۔

اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ وتر آپؐ ان بیس کے بعد ہی پڑھ لیتے تھے اور یہ کسی روایت میں مذکور نہیں کہ نماز وتر مسجد میں پڑھ چکنے کے بعد آپؐ نے گھر پر جا کر تہجد کے وقت پھر کوئی نماز پڑھی ہو۔ دوم یہ کہ اگر بموجب قول بعض حنفیہ حضرت عائشہؓ کی روایت گیارہ رکعات والی اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیس تراویح اور تین وتر مزید والی کو یوں جمع کیا جائے کہ قیام رمضان اور نماز تہجد جدا جدا نمازیں ہیں تو اس صورت میں ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنے ثابت ہوتے ہیں اور یہ عمل اس حدیث کے خلاف ہے جو آنحضرتؐ نے فرمائی کہ ایک رات میں دو وتر جائز نہیں ہیں۔ (ابوداؤد) کیونکہ دو وتر پڑھنے سے مجموعہ شفع ہو جاتا ہے اور وتر ٹوٹ جاتے ہیں۔ (انارۃ المصابیح مؤلفہ سیالکوٹی صاحب ص ۳۴)

اہل سنت۔ باوجودیکہ حنفیہ میں سے ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث کی صحت کا کوئی قائل نہیں تاہم سیالکوٹی صاحب نے اپنے رسالہ "انارۃ المصابیح" کے آٹھ صفحے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی رائیگاں کوشش میں برباد کر دیئے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب یہ بالاتفاق ضعیف ہے تو سیالکوٹی صاحب کو اس سے استدلال کرنے کا بھی کوئی حق نہ تھا تاہم ان کے پاس خاطر سے یہ جتلا دینا مناسب ہے کہ آخری عشرہ رمضان کی جن پہلی دو یا تین راتوں میں حضور سیاہ کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت تہجد سے پہلے نماز تراویح سے فراغت پائی ان میں آپ تراویح کے بعد صبح تک نماز تہجد ہی پڑھتے رہے ہوں گے کیونکہ آپ ان راتوں میں ساری رات مصروف نماز رہا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ لَا اَعْلَمُ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ لَیْلَۃً حَتَّی الصَّبَاحِ غَیْرَ رَمَضَانَ۔ (مجھے علم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا دوسری راتوں میں کبھی صبح تک ساری رات قیام فرمایا ہو۔ صحیح مسلم) اور قیام خاص نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح صحیح بخاری میں ہے

اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِیْزَرَہٗ وَ اَحْیٰی لَیْلَہٗ وَاَیْقَظَ اَھْلَہٗ (جب رمضان کا آخری
عشرہ آتا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے لئے کمربستہ ہو جاتے اور شب بیدار رہتے اور اپنے
اہل بیت کو بھی بیدار رکھتے) اور بیہقی نے روایت کی۔ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ لَمْ یَاْتِ فِرَاشَہٗ
حَتّٰی یَنْسَلِخَ (جب رمضان آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک بستر پر قدم نہ رکھتے جب تک
رمضان گزر نہ جاتا) اگر سرور عالم و عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی اور دوسری رات میں
تراویح کے بعد نماز وتر بھی پڑھا دی تھی۔ تو وتر کو تہجد کے بعد دوبارہ نہ پڑھا ہوگا کیونکہ ایک
رات میں دو وتر نہیں اور گو کسی روایت میں صراحۃً مذکور نہیں کہ تراویح پڑھانے کے بعد آپ
نے تہجد کے وقت کوئی اور نماز پڑھی لیکن چونکہ آپ رمضان میں عموماً اور عشرہ اخیرہ میں خصوصاً
رات کے وقت استراحت نہ فرماتے تھے۔ بلکہ شب بھر مصروف قیام رہتے۔ اس سے یقین
ہوتا ہے کہ آپ تراویح کے بعد تہجد میں کلام مجید پڑھتے رہے ہوں گے۔ کیونکہ آپ رمضان کی
راتوں میں ایک ایک رات میں قرآن ختم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں
لَا اَعْلَمُ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ کُلَّہٗ فِیْ لَیْلَۃٍ وَّلَا صَلّٰی لَیْلَۃً اِلَی
الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَھْرًا کَامِلًا غَیْرَ رَمَضَانَ (مسلم و مروزی) (میں نہیں جانتی کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا کسی ایک رات میں پورا قرآن ختم کیا ہو یا صبح تک ساری رات نماز پڑھی
ہو یا سارا مہینہ روزے رکھے ہوں)

اس بیان کی تائید ایک صحابی حضرت طلق بن علیؓ کے فعل سے بھی ہوتی ہے۔ جنہوں نے
نماز تراویح اور وتر پڑھانے کے بعد اپنی مسجد میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی
تھی اور وتر کو مکرر نہیں ادا فرمایا تھا۔

عن قیس بن طلق قال زارنا طلق بن علی فی یوم من رمضان وامسی عندنا

وافطر ثم قام بنا تلك الليلۃ واوتر بنا ثم انحدر الی مسجدہ فصلی باصحابہ حتیٰ اذا بقی الوتر قدم رجلاً فقال اوتر باصحابک فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاوتران فی لیلۃ۔ (ابوداؤد ونسائی) (قیس بن طلق کا بیان ہے کہ ماہ رمضان میں ایک دن میرے والد طلق بن علیؓ ہمارے پاس آئے۔ شام تک ہمارے پاس رہے اور ہیں روزہ افطار کیا۔ پھر رات کو ہمیں نماز (تراویح) پڑھائی اور وتر بھی پڑھائے یہاں سے فارغ ہو کر اپنی مسجد کی طرف گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز (تہجد) پڑھائی یہاں تک کہ وتر باقی رہ گئے۔ پھر کسی کو آگے کر کے کہا کہ تم ان لوگوں کو وتر پڑھا دو اور میں اس لئے وتر نہیں پڑھاتا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وتر کے بعد بھی تہجد اور دوسرے نوافل پڑھے جا سکتے ہیں۔ رہا خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ رات کے وقت وتر کو تمام نمازوں کے اخیر میں رکھو تو یہ اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو وتر اخیر رات میں پڑھے چنانچہ بعض اکابر کا یہی مذہب ہے۔ (دیکھو فتح الباری جلد ۲ ص ۳۲۸) اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق کوئی ممانعت وارد نہیں۔ غرض مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا استدلال جو انہوں نے تراویح اور تہجد کے الگ الگ ہونے کی نفی میں کیا تھا باطل ہو گیا۔

اہل حدیث۔ اچھا یہ نہیں تو اور ثبوت لیجیے۔ امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں عنوانِ باب یوں باندھا ہے۔ باب قیام شہر رمضان وما فیہ من الفضل۔ پھر اس کے ذیل میں حضرت عائشہؓ والی زیر بحث روایت جس میں رمضان اور غیر رمضان میں صرف گیارہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، ذکر کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ کے نزدیک موافق قول محدثین کے حضرت عائشہؓ والی روایت قیام رمضان پر بھی شامل ہے۔ لہٰذا حنفی علماء اپنے امام و

مجتہد کے خلاف عذر کر کے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ٹال سکتے۔ ہذا والحمد للہ
(انارۃ المصابیح ص ۴۴)

اہل سنت ۔اگر امام محمدؒ نے کہیں لکھا ہوتا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو مختلف نام ہیں تو آپ کا استدلال بجا تھا۔ ورنہ اس لحاظ سے کہ تراویح اور تہجد دونوں رات کی نفلی نمازیں ہیں اور ماہ رمضان میں جو نماز تہجد پڑھی جائے گی۔ تراویح کی طرح اس پر بھی قیام رمضان کا اطلاق ہو سکیگا۔ اس لئے امام محمدؒ یا کسی دوسرے محدث نے دونوں نمازوں کی روایتیں ایک جگہ جمع کر دیں تو اس سے دونوں نمازوں کا متحد ہونا لازم نہیں آتا۔ اگر ہمارا بیان صحیح نہیں اور تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ تو حضرت علامہ سیالکوٹی ازراہ کرم بتائیں کہ (۱) موطا امام مالکؒ میں تراویح اور تہجد کے ابواب الگ الگ کیوں ہیں اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی حدیث زیر بحث تراویح کے باب میں کیوں درج نہیں کی گئی؟ (۲) اسی طرح یہ بھی ارشاد ہو کہ ترمذیؒ نے حضرت صدیقہؓ کی حدیث کو تہجد کے باب میں اور احادیث تراویح کو جداگانہ باب میں کیوں درج کیا ہے؟ (۳) اس بات کا بھی جواب دیا جائے کہ ابو داؤدؒ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث صلوٰۃ اللیل (تہجد) کے باب میں کیوں قلمبند کی ہے اور قیام شہر رمضان کا باب الگ کیوں باندھا ہے؟ (۴) مسلم شریف میں اُم المومنینؓ کی حدیث مذکورہ صلوٰۃ اللیل میں کیوں مندرج ہے اور تراویح کا باب تہجد سے الگ کیوں ہے؟ (۵) امام مروزیؒ نے قیام اللیل صفحہ ۷۴) میں ام المومنین عائشہؓ کی حدیث کو قیام اللیل (تہجد) میں کیوں درج کیا اور تراویح کی تعداد رکعت کا الگ باب کیوں باندھا؟ (۶) بیہقی نے سنن کبریٰ میں اور علامہ ولی الدین خطیب نے مشکوٰۃ المصابیح میں تراویح اور تہجد کے ابواب الگ

الگ کیوں قائم کئے ہیں؟ د) اسی طرح مولانا سیالکوٹی صاحب اس بات کی بھی عقدہ کشائی کریں کہ علامہ ابن قیمؒ نے تراویح اور تہجد کے باب الگ الگ کیوں باندھے ہیں اور حدیث عائشہؓ کو تہجد کے باب میں کیوں قلمبند کیا ہے؟ (ملاحظہ ہو زاد المعاد جلد اول صفحہ ۸۶) میں مولانا سیالکوٹی صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر امام محمدؒ کو اس بات کا علم ہوتا کہ تیرھویں صدی کے اخیر میں غالک ہند سے ایک ایسا فرقہ ظاہر ہوگا جو بیس رکعت تراویح کی نفی کرتے ہوئے تراویح اور تہجد کی نمازوں کو ایک بتائے گا تو وہ حدیث عائشہؓ کے اندراج میں ذرا احتیاط سے کام لیتے۔

اہل حدیث۔ اگر نماز تہجد اور قیام رمضان الگ الگ چیزیں ہیں تو معاذ اللہ امام مالکؒ پر حرف آئیگا کہ ان کو اتنی تمیز نہیں کہ باب تو باندھتے ہیں قیام رمضان کا اور اس کے ذیل میں حدیث کا مفہوم تہجد لیتے ہیں۔ (رکعات تراویح مرتبہ سکرٹری صاحب ص ۸۳)

اہل سنت۔ آپ بالکل غلط بیانی اور مغالطہ دہی سے کام لے رہے ہیں۔ مؤطا امام مالکؒ میں تہجد کے باب الگ الگ ہیں اور اُم المومنین کی حدیث بھی تراویح کے باب میں مندرج نہیں اور مجھے اس پر سخت تعجب ہے کہ جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش تو آپ کرتے ہیں لیکن میں الٹا آپ کی حرکت مذبوحی کو دیکھ کر عرقِ ندامت میں غرق ہوا جاتا ہوں۔

اہل حدیث (دنبال عبارت سے) اچھا اور لیجئے۔ امام بخاریؒ حضرت عائشہؓ کی روایت کو لکھتے وقت اس کا عنوان باب قیام رمضان باندھتے ہیں نہ کہ باب تہجد۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز تہجد اور قیام رمضان الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے۔ ورنہ معاذ اللہ حضرت عائشہؓ اور امام بخاریؒ پر حرف آئیگا کہ ان کو اتنی تمیز نہیں کہ باب تو باندھتے ہیں قیام رمضان کا اور اس کے ذیل میں حدیث کا مفہوم تہجد لیتے ہیں۔

اہل سنت۔ تعجب ہے کہ آپ لوگ ایک بے اصل بات کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟

سیکرٹری صاحب! معاف کیجئے صحیح بخاری کے ابواب اور ترجمۃ الباب کا سمجھنا آپ جیسوں کے بس کا روگ نہیں ہاں کا سمجھنا "یک من علم را دہ من عقل باید" کا مصداق ہے۔ امام بخاری ؒ نے کتاب الاذان میں صلوٰۃ اللیل (تہجد) کا اور کتاب الصوم میں تراویح کا باب باندھا ہے۔ یہ مغائرت اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بھی تراویح اور تہجد دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الصوم میں روزے کے متعلق اور ابواب درج کرتے کرتے ایک باب باندھا ہے "باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نکتب ولا نحسب" اور اس کے ذیل میں ابن عمرؓ کی یہ روایت سپرد قلم کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ (ہم پیغمبروں کا گروہ امی (ناخواندہ) لوگ ہیں نہ لکھ سکتے ہیں اور نہ حساب جانتے ہیں)

اسی طرح امام بخاریؒ نے باب نزول عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) میں حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث درج فرمائی جس میں حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیا (علیہم السلام) کے ذمہ تھی جب ایک نبی انتقال فرماتا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوجاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ آیا یا جائیگا البتہ خلفاء و سلاطین ہوتے رہیں گے اور ان کی بڑی کثرت ہوگی صحابہ نے عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! تو پھر ہمیں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر پہلے بیعت کرلو اس بیعت کو پورا کرو اور خلفاء کے حقوق پورے کرتے رہو۔ حق تعالیٰ خلفا و سلاطین سے رعایا کے متعلق باز پرس کرے گا۔

ظاہر ہے کہ جہاں ابواب سے ان حدیثوں کی مناسبت کا یہ عالم ہو وہاں اہلحدیث جیسے ظاہر یوں کا تراویح اور تہجد کی وحدت پر حدیث عائشہؓ سے استدلال کرنا عقل و خرد کو منہ چڑانا ہے بیاکوٹی صاحب اور ان کے سکرٹری صاحب کی یہ طفلانہ دلیل بازی بالکل اس شعر کا مصداق ہے ؎

چہ خوش گفت سعدی در زلیخا   الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا

اصل یہ ہے کہ حضرات محدثین کسی ادنیٰ مناسبت سے بھی کوئی حدیث کسی باب میں درج فرما دیتے تھے چونکہ نماز تراویح رمضان میں پڑھی جاتی ہے اس بنا پر امام بخاریؒ نے تراویح کی حدیثیں کتاب الصلوٰۃ کی بجائے کتاب الصوم میں درج فرمائیں۔ (دیکھو صحیح بخاری جلد اول مطبوعہ میرٹھ ص ۲۶۹) اور اس لحاظ سے کہ تراویح اور تہجد دونوں شبانہ نمازیں ہیں اس مناسبت سے اگر امام بخاری نے حدیث ام المومنینؓ کو قیام رمضان کی حدیثوں کے ضمن میں کتاب الصوم کے ماتحت درج کر دیا تو اس سے یہ استدلال کرنا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے نہایت بوالعجبی ہے میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ امام مسلمؒ، ترمذیؒ ابوداؤدؒ وغیرہم نے حدیث عائشہؓ کو قیام رمضان میں نہیں بلکہ تہجد کے باب میں درج کیا ہے۔ اگر بالفرض سارے محدثین کرامؒ بالاتفاق تراویح اور تہجد کی حدیثوں کو ایک باب میں یا حدیث عائشہؓ کو قیام رمضان کے باب میں درج فرماتے تو مولنا سیالکوٹی صاحب اور سیکرٹری صاحب کا استدلال کسی حد تک قابل التفات ہو سکتا تھا لیکن حالت یہ ہے کہ دو ایک کے سوا حدیث کی جس کتاب کو بھی اُٹھا کر دیکھو اس میں تراویح اور تہجد کے باب الگ الگ پائے جاتے ہیں اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث مذکورہ قیام اللیل یعنی تہجد کے باب میں درج ہے اور لطف یہ ہے کہ جہاں نسائی رحمۃ اللہ نے قیام رمضان، تہجد اور وتر کے الگ الگ باب قائم کئے ہیں وہاں ام المومنین کی اس حدیث کو جس میں رمضان او رغیر رمضان میں گیارہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ وتر کے باب میں مندرج فرمایا ہے ایسی حالت میں سیالکوٹی صاحب اور سیکرٹری صاحب سے جو علم و فہم کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں عجب نہیں کہ جس طرح آج انہوں نے بکمال خوش فہمی تہجد اور تراویح کو ایک بنا دیا ہے۔ اسی طرح وہ نسائی شریف میں حدیث عائشہؓ کو وتر کے باب میں دیکھ کر کہنے لگیں کہ وتر اور تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ الغرض میں دونوں صاحبوں سے درخواست کروں گا کہ آئندہ ایسے اُلجھاؤ والے استدلال کر کے لوگوں کو اپنے اوپر

نہ ہنسائیں۔ اصل یہ ہے کہ جس فرقہ میں مولوی ابو تمیم محمد ابراہیم صاحب جیسے بزرگوار محدث بنے بیٹھے ہوں اور سیکرٹری صاحب جیسے حضرات مصنف بے بدل کی حیثیت سے امتیازی کرسی پر براجمان ہوں وہاں علم دین کی یہی گت بنے گی ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی | اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

اہل حدیث۔ (شرمندہ ہوکر) اچھا آپ اپنی طرف سے کوئی ایسی قطعی دلیل پیش کر سکتے ہیں جس سے تراویح اور تہجد کی مغائرت ثابت ہو؟

اہل سنت۔ ہاں بہت سے دلائل ہیں۔ سنئے۔

پہلی دلیل۔ نماز تہجد آغاز اسلام میں مکہ معظمہ کے اندر تمام امت پر فرض ہوئی اور ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ ہوکر تطوعاً جاری رہی (ابوداؤد عن عائشہ ام المومنینؓ) اور تراویح پڑھنے کا حکم مدینہ منورہ میں اس وقت ہوا جب ہجرت کے بعد صوم رمضان فرض ہوا اور ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ صِیَامَہٗ وَسَنَنْتُ لَکُمْ قِیَامَہٗ (اللہ تعالےٰ نے رمضان کے روزے فرض اور میں نے اس کا قیام مسنون کیا ہے۔ ابن ماجہ) اس سے ظاہر ہے کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں۔

دوسری دلیل۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کو ہمیشہ اخیر رات میں پڑھتے تھے۔ چنانچہ مروی ہے۔ عن مسروق قال سالت عائشہ رضی اللہ عنہا متی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقوم قالت کان یقوم اذا سمع الصارخ (بخاری ومسلم) وعن الاشعث قال اذا سمع الصارخ قام فصلی (بخاری) (مسروقؒ کا بیان ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کس وقت اٹھا کرتے تھے؟ فرمایا جب مرغ کی اذان سنتے تھے اور اشعث نے کہا کہ آپ مرغ کی آواز سنکر اٹھتے اور نماز پڑھا کرتے تھے۔

اور نماز تراویح آپ نے اور خلفاء راشدین، دوسرے صحابہ، تابعین، اتباع تابعین اور دوسرے علماء امت نے ہمیشہ پہلی رات پڑھی ہے چنانچہ علامہ ابوالطیب سندی لکھتے ہیں۔

فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل ظاھر فی انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی معھم النوافل جماعۃ اول اللیل ففیہ دلیل للجمھور علی ان التراویح یصلی اول اللیل مع الجماعۃ (شرح ترمذی ابوالطیب سندی مطبوعہ نظامی کانپور جلد ۲ ص ۱۴۹) (جملہ فقام بنا الخ اس بات کے ثبوت میں ایک ظاہر اور روشن دلیل ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو نوافل جماعت کے ساتھ پڑھائیں۔ تو اس میں جمہور کے لئے یہ دلیل ہے کہ تراویح شروع رات میں جماعت سے پڑھی جائیں)

اور لغت میں ہجود اور تہجد رات کے سونے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ تہجد فلان (فلانی شخص سو گیا) اور متہجد وہ شخص ہے جو نیند چھوڑ دے اسی بنا پر شریعت کی اصطلاح میں تہجد نیند سے بیدار ہو کر نماز پڑھنے کو کہتے ہیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ تہجد کے معنی نیند کے بعد اٹھنے کے ہیں۔ یہی معنی حضرت علقمہؒ اور حضرت اسودؒ سے منقول ہیں اور اسی پر اکثر مفسرین نے اتفاق کیا ہے اور علامہ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں فتھجد بہ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ نیند سے علیحدہ ہو جا اور اس کو چھوڑ دے کیونکہ یہ صیغہ تفعل ہے اور صیغہ تفعل ازالہ کے لئے آتا ہے۔

تیسری دلیل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کو اہتمام کے ساتھ جماعت کثیرہ کے ساتھ ادا فرمایا لیکن تہجد کو آپ ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے۔ ہاں اگر کوئی شخص از خود آشامل ہوتا تھا۔ تو اس کی شرکت میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔

چوتھی دلیل۔ تراویح سال میں صرف ایک مہینہ پڑھنے کا حکم ہے لیکن تہجد سال کے بارہ مہینے پڑھی جاتی ہے۔

پانچویں دلیل۔ حضور مفخر موجودات علیہ التحیۃ والسلام تہجد کے لئے رات بھر کبھی نہ جاگے

لیکن تراویح کو جو آپ نے نمازِ عشاء کے بعد سے شروع کیا تو صبح صادق سے پہلے تک اسی میں مصروف رہے گویا تہجد کو بھی اسی میں منضم فرمادیا۔

چھٹی دلیل۔ تراویح میں کم از کم ایک مرتبہ پورا قرآن سُننا خلفاء راشدین کی سنت ہے یعنی تہجد میں قرأت کی کوئی مقدار متعین نہیں۔

ساتویں دلیل۔ تہجد کی کم از کم چار اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں مسنون ہیں لیکن تراویح کم از کم بیس رکعت خلفاء راشدین رض کی سنت ہے۔

آٹھویں دلیل۔ حدیث ابوذر غفاری رض سے ثابت ہے کہ تین رات جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح پڑھائی تو اس کے درمیان آپ سوئے نہیں لیکن تہجد میں آپ عموماً چار چار رکعتیں پڑھکر محوِ خواب ہوجاتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ ابوسلمہ نے ام المومنین صدیقہ رض سے دریافت کیا کہ حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں نماز (تہجد) کس طرح ادا فرماتے تھے؟ ام المومنین نے فرمایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد نہ کرتے تھے۔ پہلے چار رکعت پڑھتے تھے ان چار رکعتوں کے حُسن وخوبی اور ان کی درازی کا حال کچھ نہ پوچھو۔ اس کے بعد اور چار رکعتیں پڑھتے تھے ان کے حُسن اور درازی کی بھی تعریف نہیں ہوسکتی۔ ان کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ (ایک مرتبہ) میں نے گذارش کی یارسول اللہ! کیا آپ وتر سے پہلے سوجاتے ہیں؟ فرمایا۔ عائشہ! میری آنکھیں توسوجاتی ہیں لیکن دل بیدار رہتا ہے (بخاری)) غرض تہجد گزاری کی ہیئت یہ تھی کہ چار رکعتیں پڑھیں اور سو گئے۔ پھر چار رکعتیں پڑھیں اور استراحت فرمانے لگے۔ پھر اخیر میں تین رکعت وتر ادا فرمانے۔ یہ تو نماز تہجد کی کیفیت تھی لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ رکعات تراویح کے درمیان یا تراویح کے اختتام کے بعد وتر سے پہلے آپ نے آرام فرمایا ہو۔

نویں دلیل۔ تراویح کے بعد وتر کا جماعت کے ساتھ پڑھنا خلفاء کی سنت ہے لیکن اگر وتر کو تہجد کے بعد پڑھیں تو ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا معمول و مشروع نہیں۔

دسویں دلیل۔ ایک فرق یہ ہے کہ ایک گمراہ فرقہ قیام رمضان کو (معاذ اللہ) بدعت فاروقی قرار دیتا ہے اور تراویح کا نام سن کر جل بھن جاتا ہے لیکن اُسے تہجد سے کوئی پرخاش نہیں۔ بلکہ عجب نہیں کہ ان کے خاص خاص لوگ تہجد گزار بھی ہوں۔ گویہ گم کردہ رہ جماعت نماز تراویح کو معاذ اللہ ضلالت اور موجب گناہ قرار دیتی ہے لیکن حقیقت نفس الامر اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضور سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی جماعت محض اس خدشہ کی بنا پر ترک کر دی تھی۔ کہ مبادا نماز تراویح بھی امت پر فرض ہو جائے لیکن جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت کے آغاز میں دیکھا کہ اب اس خدشہ کا کوئی امکان نہیں تو انہوں نے اس کا احیا فرما کر اس کو سنت دائمی قرار دیا۔ پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک تو احیاء سنت کا اجر عظیم ملیگا۔ دوسرے جس قدر مخلوق نماز تراویح با جماعت ادا کرتی رہے گی۔ اس کا ثواب بھی انہیں برابر قیامت تک ملتا رہے گا۔ اللہم زد فزد۔

گیارھویں دلیل۔ تراویح اور تہجد کی مغائرت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے لیکن بطریق وجوب حکم نہ دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے رمضان میں تراویح کو حق سمجھکر خاص رضائے الٰہی کے لئے قیام کیا اس کے تمام معاصی بخشے جائیں گے (موطا امام مالکؒ) لیکن آپ نے تراویح کی ترغیب دیتے ہوئے مدت العمر کبھی ایک مرتبہ بھی یہ نہ جتلایا کہ قیام شب اور قیام رمضان ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔

بارھویں دلیل۔ ایک فرق یہ ہے کہ تہجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی تراویح فرض نہ تھی۔ اگر یہ دونوں نمازیں ایک ہوتیں تو آپ تراویح پڑھنا کبھی نہ چھوڑتے۔

تیرھویں دلیل۔ ایک دلیل قاضی شوکانی نے یہ نقل کی ہے کہ عید کی طرح نماز تراویح بھی اسلام کے ظاہری شعائر میں داخل ہے۔ (دیکھو نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۹۵) لیکن نماز تہجد شعائر ظاہرۂ اسلامیہ میں داخل نہیں۔

چودھویں دلیل۔ فرقہ "اہل حدیث" کے استاد الکل مولنا سید نذیر حسین صاحب دہلوی مرحوم میاں صاحب کے استاد الاستاذ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تراویح اور تہجد کے مغائر ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"آنچہ مروی شدہ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ مراد ازاں نماز تہجد است کہ در رمضان وغیرہ برابر بود وآں را صلوٰۃ اللیل می گفتند اما تراویح غیر آں است کہ در عرف شان بقیام رمضان مسمیٰ بود چنانچہ دلالت می کند برآں حدیث اجتہاد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلم و در بخاری و مسلم مروی است اذا دخل العشر الاخر من رمضان احیا لیلہ وایقظ اھلہ وجد وشد المیزر یعنی ہرگاہ عشرہ اخیرہ رمضان می آمد شب آں را احیا می فرمود و اہل خانہ را بیدار می ساخت وکوشش می نمود وازار محکم می بست یعنی بنہایت مستعد می گردید (حاشیہ ما لا بد منہ مطبوعہ کانپور ص ۸۷)

وہ روایت ما کان یزید الخ کی جو مروی ہے اُس سے نماز تہجد مراد ہے جو کہ رمضان اور رمضان کے سوا برابر تھی اور صلوٰۃ اللیل کہتے تھے۔ لیکن تراویح اس کے سوا ہے کہ لسے ان حضرات کے عرف میں قیام رمضان کا نام دے رکھا تھا۔ چنانچہ حدیث اجتہاد کہ کان یجتہد الحدیث اُس پر دلالت کرتی ہے اور بخاری و مسلم میں ہے کہ جب رمضان کا عشرہ اخیرہ آیا کرتا تھا تو آپ اسکی راتوں کو عبادت میں گذارا کرتے تھے اہل خانہ کو جگایا کرتے تھے اور نہایت کوشش و مستعدی سے عبادت فرماتے تھے۔

پندرھویں دلیل۔ بخاری وغیرہ محدثین ناقل ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جماعت تراویح کو حضرت ابی بن کعب اول شب میں پڑھا رہے تھے اور یہ جماعت خود امیرالمؤمنین عمرؓ کی مقرر کی ہوئی تھی دیکھ کر فرمایا والتی تنامون عنہا افضل من التی تقومون۔ جو نماز کہ اس سے سو رہتے ہو یعنی تہجد جو آخر رات میں ہوتی ہے اس نماز سے افضل ہے جو پڑھ رہے ہو یعنی تراویح۔ چونکہ عامۃ المسلمین نماز تراویح پڑھ لینے کے بعد تہجد نہیں پڑھتے تھے۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو ترغیب دلائی کہ تہجد کی طرف سے تغافل نہ برتنا چاہئے کہ وہ تو تراویح سے بھی افضل ہے حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ جہاں تم لوگ تراویح پر کمربستہ رہتے تو آخری رات میں تہجد بھی پڑھ لیا کرو کہ وہ تراویح سے بھی افضل ہے اس سے بھی دونوں نمازوں کی مغایرت ثابت ہوتی ہے۔

اہل حدیث۔ آپ نے طلق بن علی صحابیؓ کا واقعہ نسائی اور ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک جگہ تراویح پڑھا کر اپنے مکان کو واپس آئے تو لوگوں کو (تہجد کی) نماز پڑھائی۔ کیا آپ اس کے علاوہ بھی کوئی ایسی نظیر پیش کر سکتے ہیں جس میں کسی عالم ربانی نے تراویح پڑھنے کے بعد نماز تہجد ادا کی ہو؟

اہل سنت۔ گو تفحص اور تتبع سے اس کے بھی نظائر ملیں گے لیکن بہت کم مل سکیں گے اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہمارے علمائے حق بھی حضرات "اہل حدیث" کی طرح نماز تراویح پڑھ لینے کے بعد عبادت اور رجوع الی اللہ کی طرف سے رات بھر کے لئے فارغ اور مطمئن ہو جاتے اور لمبی تان کر سو جاتے تھے۔ بلکہ یہ سبب ہے کہ وہ عموماً شب بیدار رہتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی سوجاتا تھا تو بھی نماز تہجد ضرور ادا کرتا تھا۔ علامہ محمد عبدری مالکی معروف بہ ابن الحاج رحمہ کتاب المدخل میں فرماتے ہیں: "احادیث میں ہے کہ جب صحابہ کرام نماز تراویح سے فراغت پاکر

اپنے گھروں کو مراجعت فرماتے تو اس خوف سے اپنے خادموں کو کھانا لانے کی جلدی کرتے کہ مبادا صبح ہو جائے اور طول قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔ اس طرح صحابہ کرام کو معاً پہلی اور پچھلی رات کے قیام (تراویح اور تہجد) کی دونوں فضیلتیں حاصل ہو جاتی تھیں۔ حضرات صحابہؓ ہمارے سردار اور پیشوا ہیں اور محب اپنے محبوب کا مطیع اور مرضی شناس ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ان کے آثار مبارکہ کی پیروی کریں لیکن عہد حاضر میں عام طور پر یہ مشکل نظر آتا ہے کہ مساجد میں عامۃ الناس کے ساتھ رات بھر نماز پڑھی جاسکے۔ تاہم کوشش کرنی چاہئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس سنت کو عملی جامہ پہنائیں اور اس کی یہ صورت ہے کہ مسجد میں تو لوگوں کے ساتھ اسی قدر قیام کرلیں جس قدر کہ میسر ہو۔ اس کے بعد گھر پہنچکر ساری رات نماز میں کھڑے رہیں اور اگر کوئی دشواری نہ ہو تو اپنے اہل وعیال کو بھی شب بیداری میں شریک رکھیں۔ ورنہ خود ہی تنہا مصروف نماز رہیں اور بہتر یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اتباع میں نماز وتر تمام نفلی نمازوں (تہجد وغیرہ) کے بعد پڑھی جائے۔ امام مالکؒ مسجد میں جماعت کے ساتھ وتر نہیں پڑھتے تھے بلکہ تراویح پڑھنے کے بعد گھر آکر مصروف نماز ہوتے اور اخیر رات میں تہجد کے اختتام پر وتر ادا فرماتے تھے لیکن اگر کسی نے وتر کو اول شب میں امام کے ساتھ پڑھ لیا ہو تو اس کو تہجد کے بعد دوبارہ نہیں پڑھنا چاہئے۔ چنانچہ میرے شیخ ابو محمد رحمہ اللہ پہلے تو مسجد میں امام کے پیچھے تراویح اور وتر ادا فرماتے تھے اس کے بعد مکان پر پہنچکر مصروف نماز رہتے اور وتر کا اعادہ نہیں فرماتے تھے اور حضرت ابو محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ سیدی ابو الحسن زیات بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (کتاب المدخل جلد ۲ صفحہ ۱۴۴)

اس بیان سے ثابت ہوا کہ نہ صرف امام مالک، شیخ ابو الحسن زیات اور شیخ ابو محمد رحمہم اللہ ہی تراویح کے بعد تہجد بھی ادا فرماتے تھے بلکہ ہر مومن قانت کو زاد آخرت کی فراہمی کا احساس مند

ہو۔ یہی راہ عمل اختیار کرنی چاہیے۔"

غرض ان لوگوں کے زعم میں آٹھ کی منسوخی کے بعد بیس رکعت کا عمل ہمیشہ کے لئے مستحکم ہوگیا۔ علامہ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

ولعلہم فی وقت اختاروا تطویل القیام علی عدد الرکعات فجعلوھا عشرین وقد استقر العمل علی ھذا (المصابیح مطبوعہ امرتسر صفحہ ۱۷) (اور شاید صحابہ کرام رض نے کسی وقت تطویل قیام کو کم کرکے رکعتوں کی تعداد بڑھا دی اور آٹھ سے بیس کر دی گئیں اور اسی پر عمل مستحکم ہوگیا۔

اگر ان حضرات کا خیال صحیح مان لیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اگر آٹھ رکعت کا کوئی وجود تھا تو بھی آٹھ رکعت تراویح باجماع صحابہ منسوخ ہو چکی ہے پس ظاہر ہے کہ ہمارے "اہل حدیث" دوستوں نے تمام امت مرحومہ کے طریق عمل سے منہ موڑ کر ایک منسوخ شدہ مسلک سے جی بہلا رکھا ہے اور یہ بیچارے اپنی نادانی سے آغاز کار کی پرانی لکیر کو ہی اب تک پیٹتے چلے جا رہے ہیں۔

لیکن ممکن ہے کہ علامہ بیہقیؒ قاضی باجیؒ اور علامہ ابن حجر رحمہم اللہ کا خیال صحیح نہ ہو۔ کیونکہ ان حضرات کے زعم میں رکعات کی کمی بیشی قرأت کی تطویل و تخفیف پر مبنی تھی اور یہ ایک اختیاری امر تھا حالانکہ عدد رکعات کی تعیین تو اُن چیزوں میں سے ہے جن میں قیاس کو کوئی دخل نہیں۔ راقم آثم کی تحقیق کے بموجب آٹھ رکعت تراویح تو کبھی پڑھی ہی نہیں گئی۔ البتہ بیس رکعتیں ہر زمانے میں ہر جگہ معمول بہا رہی ہیں لیکن یہ تعداد بھی بغیر سند و ثبوت کے نہ تھی۔ بیس رکعت تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا تعامل صحابہ اور امر خلفاء سے تو بلاشبہ ثابت ہی ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو درایۃً خود شعائر اسلام سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ گو روایۃً اس کے ثبوت میں گفتگو ہو۔ صحابہ کرامؓ کا بلا انکار اس عدد کو قبول کر لینا اور پھر اس پر مواظبت کرنا اس بات

کا قوی ثبوت ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بیس رکعت کی کوئی نہ کوئی قولی یا فعلی سنت ضرور خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہؓ کے پیش نظر ہو گی۔ ورنہ اس عدد کو نہ صرف قرون مشہود لہا بالخیر میں بلکہ اس کے بعد بھی ہر زمانے میں بلا نکیر معمول بہا بننا کبھی نصیب نہ ہوتا۔

فصل ۱۳

آٹھ اور بیس کی روایتوں میں تطبیق کی کوشش

دنیا میں صرف ایک علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ کی ممتاز شخصیت ہے جس نے امام مالکؒ کے مقلد ہونے کے باوجود سب سے پہلے یہ صدا بلند کی کہ گیارہ رکعت (آٹھ تراویح اور تین وتر) کی روایت امام مالکؒ کے وہم یعنی غلط فہمی کا نتیجہ ہے" ورنہ علامہ ممدوح کے ہمعصر بیہقی رحمہ اللہ یا بیہقیؒ کے بعد کے علماء ہمیشہ امام مالکؒ کی عظمت کے سامنے سرافگندہ رہے اور انہوں نے اسے غلط فہمی پر محمول کرنے کے بجائے اس کی ہمیشہ بیس رکعت کی روایتوں سے مطابقت کرنے کی کوشش کی۔ ان علماء کا خیال ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں رات کی نمازیں ہیں۔ اس علت مشترک کی بنا پر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کے پیش نظر ابتداء میں آٹھ رکعت تراویح کا حکم دیا تھا لیکن جب دیکھا کہ حبیب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو لیالی رمضان میں کثرت عبادت سے خاص شغف تھا تو آٹھ کے بجائے بیس رکعتیں کر دیں اور آٹھ کا عمل ہمیشہ کے لئے متروک ہو گیا۔ چنانچہ علامہ بیہقیؒ آٹھ اور بیس رکعت کی روایتیں درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

ویمکن الجمع بین الروایتین فانہم کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث (السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶) (دونوں قسم کی روایتوں میں جمع اور تطبیق کی یہ صورت ہے کہ پہلے گیارہ رکعتیں (آٹھ تراویح اور تین وتر) پڑھی گئیں۔ پھر بیس تراویح اور تین وتر کے ساتھ قیام کیا گیا)

اسی طرح قاضی سلیمان بن خلف اندلسی معروف بہ باجیؒ رقم فرما ہیں۔

ویحتمل ان یکون عمر امرھم باحدی عشرۃ رکعۃ وامرھم مع ذالک بطول القراءۃ یقرأ القاری بالمئین فی الرکعۃ لان التطویل فی القراءۃ افضل الصلوۃ فلما ضعف الناس عن ذالک امرھم بثلاث وعشرین علی وجہ التخفیف عنہم من طول القیام واستدرک بعض الفضیلۃ بزیادۃ الرکعات (کتاب المنتقیٰ شرح موطا جلد اول ص ۲۰۸-۲۰۹) (احتمال ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہو اور طویل قرات کے لئے ارشاد فرمایا ہو اور قاری ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھتا ہو۔ کیونکہ طویل قرات والی نماز افضل ہوتی ہے لیکن اس کے بعد جب لوگ اس طوالت قرات سے عاجز آگئے ہوں تو قرات کی درازی میں تخفیف کر کے تئیس رکعتیں کر دی گئی ہوں اور طویل قرات کی فضیلت رکعات کے اضافہ سے حاصل کی گئی ہو)

مگر بیہقیؒ وغیرہ علماء نے آٹھ اور بیس کی روایتوں میں تطبیق دینے کی جو کوشش کی ہے۔ وہ محض ایک ناکام جد وجہد اور سراسر خیال آفرینی ہے کیونکہ کوئی روایت اس واہمہ پر روشنی نہیں ڈالتی کہ پہلے آٹھ تھیں پھر بیس کر دی گئیں اور یہ جو کہا گیا ہے کہ تطویل قیام کی بجائے رکعتیں بڑھا دی گئیں۔ تو یہ بھی ایک بے اصل بات ہے۔ کیونکہ جس طرح آٹھ رکعت کی روایت میں طویل قرات مذکور ہے۔ اسی طرح بیس کی روایتوں میں بھی تطویل قرات کا تذکرہ موجود ہے چنانچہ خود علامہ بیہقیؒ روایت فرما ہیں۔

عن یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب

رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکون علی عصیهم فی عهد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ ص ۴۹۶) (یزید بن خصیفہ تابعیؒ کا بیان ہے کہ حضرت سائب بن یزید صحابی رض فرماتے تھے کہ صحابہ تابعین رمضان میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں بیس رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں لوگ شدت قیام کے باعث اپنی لاٹھیوں سے ٹیکا لگا لیتے تھے)

اسی طرح امام مروزیؒ نے روایت کی ہے۔

عن السائب بن یزید رض انهم کانوا یقومون فی رمضان بعشرین رکعۃ ویقرؤن بالمئین من القرآن وانهم یعتمدون علی العصی فی زمان عمر بن الخطاب وعن محمد بن کعب القرظیؒ کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ یطیلون فیها القراءۃ ویوترون بثلاث قیام اللیل مروزی ص ۹۱)۔

(حضرت سائب بن یزید صحابیؓ کا بیان ہے کہ صحابہ وتابعین رمضان میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے اور قرات کی مقدار ایک ایک رکعت میں سو سو آیت تھی اور عہد فاروقی میں لوگ اپنی اپنی لاٹھیوں کے سہارے پر کھڑے ہوتے تھے اور محمد بن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ عہد فاروقی میں لوگ رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے جن میں طویل قرات ہوتی تھی اور وتر کی تین رکعتیں پڑھی جاتی تھیں)

اسی طرح چوتھے باب کی چھٹی روایت ملاحظہ ہو جس میں عبد الرزاق محدثؒ ناقل ہیں کہ بیس تراویح کی ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور لوگ فجر سے تھوڑا پہلے اپنے گھروں کو مراجعت کرتے تھے۔

چونکہ امام مالکؒ نے آٹھ کی بھی روایت کر دی اس لئے بعض حضرات امام مالک رحمہ اللہ کی

بلند شخصیت کے پیش نظر تعمق سے کام لئے بغیر امام ممدوح کی غلط فہمی کا اعتراف کرنے کے بجائے معاً تطویل و تطبیق کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت امام کی غلط فہمی تسلیم کئے بغیر جمع بین الروایتیں کسی طرح ممکن نہیں۔ علامہ ابن البرؒ کی طرح نہایت جرات اور صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہیئے کہ امام مالکؒ سے بھول ہوئی۔ ان کی غلط فہمی یہ تھی کہ اپنے استاد محمد بن یوسف رحمہ اللہ کی زبان سے اکیس کے عدد کو گیارہ سمجھ لیا۔ آٹھویں فصل میں انشاء اللہ العزیز اس مسئلہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائیگا۔

فصل ۷

۲۰ رکعت پر خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کا تعامل

اہل حدیث ۔ زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی صحابی سے بھی بیس رکعت یا بیس رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہے۔ بلکہ صحابہؓ نے جو اپنی تراویح کی رکعتوں کی کبھی تصریح کی ہے۔ تو اسی قدر جس قدر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یعنی آٹھ رکعت (فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۳۹۲)

اہل سنت ۔ یہ دعویٰ سراپا غلط اور بے بنیاد ہے کسی صحیح روایت کے بموجب عہد رسالت میں کسی صحابی کا نہ آٹھ رکعت پڑھنا ثابت ہے، نہ بیس رکعت اور نہ بیس سے زیادہ۔ اور فصل اول میں اس امر کو اچھی طرح واضح کیا جا چکا ہے کہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین راتوں میں نماز تراویح پڑھائی تھی، کوئی صحیح روایت اس کی تعدادِ رکعات پر روشنی

نہیں ڈالتی۔ عہد رسالتؐ میں بعض صحابہ نماز تراویح اپنے اپنے گھروں میں پڑھتے تھے اور بعض مسجد میں لیکن مسجد میں بھی یہ ہیئت اجتماعی ایک امام کے پیچھے نہیں پڑھی جاتی تھی بلکہ چھوٹی چھوٹی متفرق جماعتیں ہوتی تھیں۔ تعداد کے متعلق میرا گمان ہے کہ تمام حضرات عام نوافل کی طرح اپنے اپنے مذاق اور رجحانِ طبع کے اقتضاء سے کم و بیش رکعتیں پڑھتے ہونگے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوری خلافت اور خلافتِ فاروقی کے ابتدائی ایام تک یہی حالت قائم رہی۔ چونکہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی بناوتوں کی الجھنوں میں پھنس گئے اور ان کی مدت خلافت بھی نہایت مختصر تھی اس لئے وہ جماعت تراویح کی سنت کے احیاء اور اس قسم کی دوسری عام اصلاحات کی طرف توجہ نہ فرما سکے۔ حضرت خلافت مآبؓ ایسے ضروری امور میں منہمک تھے کہ جن کی دینی اہمیت جماعت تراویح کے احیاء کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ مثلاً مرتدین و مانعین زکوٰۃ سے حرب و قتال شام کی طرف لشکر کشی مسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی جیسے دجالوں کے فتنوں کی سرکوبی وغیر ذالک من المہمات ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ داعیٔ اجل کو لبیک کہنے سے پہلے ہر قسم کے فتنے اور شورشیں فرو کر چکے تھے اور مہمات امور کو رو براہ کر کے اپنے جانشین کے لئے کامیابی کے راستے صاف کر گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت کو زینت بخشی ہے تو اس وقت تک خلافت مقدسہ ہر قسم کے داخلی اور خارجی خرخشوں سے پاک ہو چکی تھی اس سے واضح ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہایت مُساعد حالات میں زمامِ خلافت ہاتھ میں لی اور انہیں ترقی و اصلاحات کے لئے نہایت سازگار فضا میسر ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے سال یعنی ۱۴ھ میں جماعتِ تراویح کی سنت کو بطریق تشریع زندہ کیا۔ اس سلسلہ میں حکم دیا کہ تمام مرد حضرت اُبیّ بن کعب انصاریؓ کے پیچھے اور

عورتیں حضرت تمیم داریؓ کی اقتدا میں مجتمعاً صلاۃ تراویح ادا کریں بیہقی کی روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت تمیم داری رض کے بعد سلیمان بن ابی حثمہ اور سلیمان کے بعد عرفجہ ثقفی بھی یکے بعد دیگرے خواتین کی امامت کرتے رہے (سنن کبری جلد ۲ ص ۴۹۴)

حضرت امیرالمومنین عمر فاروق رض نے لوگوں کو شروع ہی سے بیس رکعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ اس کی تحقیق انشاءاللہ العزیز آٹھویں فصل میں قارئین کرام کی نظر سے گزرے گی فصل سابق میں لکھا گیا تھا کہ جمہور علماء کی طرح علامہ ابن عبدالبرؒ بھی بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں اور ان کے زعم میں آٹھ رکعت کی روایت امام مالکؒ کے وہم کا نتیجہ ہے اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ بعض علماء نے آٹھ اور بیس تراویح کی روایتوں میں تطبیق کی کوشش کی ہے لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے جس چیز کو جمع بین الروایتین کی بنیاد قرار دیا یعنی قرأت میں تخفیف ہو کر عدد رکعات میں اضافہ کیا جاتا سرے سے اس کا ہی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بہر حال یہ تو علمائے حق کے مزعومات ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں ذرا ہمارے اہل حدیث بزرگوں کا استبداد اور ان کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ انہیں آٹھ رکعت کی روایت کو امام مالکؒ کا وہم قرار دینے یا آٹھ اور بیس رکعت کی روایتوں میں تطبیق دینے کے بجائے سرے سے بیس رکعت کی نفی پر اصرار ہے۔ لیکن وہ بیچارے بھی ایسا کرنے میں معذور ہیں کیونکہ خواہ آٹھ رکعت کو امام مالکؒ کی غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ یا جمع بین الروایتین کی کوشش کی جائے ان دونوں صورتوں میں آٹھ رکعت تراویح غلط ریود ہو جاتی ہے لیکن میں کہوں گا کہ بیس رکعت تراویح سے اعراض و انکار بلا شبہ عین نصف النہار کے وقت آفتاب عالمتاب کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ اگر انصاف و دیانت کی جبل متین ہاتھ میں نہ ہوتی۔ تو جس طرح مقتدایانِ "اہل حدیث" بیس رکعت کے وجود سے

انکاری ہیں۔ اسی طرح میں بھی آٹھ رکعت کی طرف سے کانوں پر ہاتھ رکھنے لگتا اور ان حضرات کے نقش قدم پر چل کر لکھ دیتا کہ موطا کی جس روایت سے آٹھ رکعتیں ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے راوی جھوٹے اور ناقابل اعتبار ہیں لیکن بحمداللہ میں تقوی اور خشیت الہی کی دولت سے محروم نہیں ہوں۔ خدائے عزیز برتر حق پوشی اور عصبیت جاہلیت سے ہر کلمہ گو کو بچائے۔ رب جلیل نے فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

(۵: ۸) (مومنو! خلوص کے ساتھ حقوق اللہ پر قائم رہو تمہیں انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر آمادہ رہنا چاہئے رہنا کسی جماعت کی عداوت تمہیں ترک عدل پر آمادہ نہ کرے عدل و انصاف کا شیوہ اختیار کرو کہ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے)

حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے فرمایا ہاں۔ عرض کیا گیا کیا مومن بخیل ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا گیا۔ کیا مومن دروغ گو ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ (رواہ مالک و بیہقی فی الشعب) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس سے اس قدر تعفن پیدا ہوتا ہے کہ اس کا (محافظ) فرشتہ (اس تعفن کی تاب نہ لاکر) اس سے کوس بھر دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی)

اہل حدیث ۔ ہم پر حق پوشی، عصبیت، جاہلیت اور دروغ گوئی کا الزام سراسر بیجا ہے۔ آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح کا کوئی ثبوت ہی نہیں ملتا اور جو روایتیں اور اقوال بیس رکعت کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کے راوی ضعیف اور جھوٹے ہیں۔ کیا لاہور کے حق پرست علما اس حقیقت کی چہرہ کشائی کی تکلیف گوارا کریں گے؟ کہ بیس رکعت تراویح پہلے اہل

چیز ہے) کیا ان میں ایمانی جرأت ہے کہ امت محمدیہ کو (تراویح کا) صحیح طریق عبادت (آٹھ رکعت پڑھنا) بتائیں ؛ (رکعات تراویح مرتبہ سکرٹری صاحب صفحہ ۱۶) ان موقوف روایتوں کا حال ہم آئندہ دکھائیں گے کہ یہ بھی ضعیف طریق سے مروی ہیں ۔ (انارۃ المصابیح صفحہ ۱۹ حاشیہ)

اہل سنت ۔ اچھا آپ بیس رکعت تراویح کے متعلق کس قسم کا ثبوت چاہتے ہیں ؟

اہل حدیث ۔ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہونا چاہیئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس رکعتیں پڑھائیں یا پڑھیں یا پڑھنے کا حکم دیا ۔

اہل سنت ۔ یہ تو میں پہلے بھی گذارش کر چکا ہوں کہ صحیح روایتیں اس بیان سے قطعاً خاموش ہیں کہ حضور خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام رمضان کی تین راتوں میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھائیں کسی صحیح حدیث میں نہ بیس کا ذکر ہے نہ آٹھ کا ۔ اس لئے سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ عمل نہ آپ پیش کر سکتے ہیں نہ میں البتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے آئینہ عمل میں سنت نبوی کی جھلک دکھائی جا سکتی ہے ۔

اہل حدیث ۔ اچھا خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کا عمل ہی دکھا دو ۔

اہل سنت ۔ بہتر سنئے ۔

پہلی روایت ۔ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں ۔

ورویٰ مالک من طریق یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید عشرین رکعۃً وھذا محمول علی غیر الوتر (فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۸۰)

(امام مالکؒ نے بطریق یزید بن خصیفہؒ حضرت سائب بن یزید صحابی سے بیس رکعتیں روایت کی ہیں اس تعداد میں وتر داخل نہیں)

اہل حدیث ۔ موطا مالک کے اس نسخہ میں جو ہمارے پاس ہے یہ روایت موجود نہیں ۔

اہل سنت ۔ ممکن ہے کہ نہ ہو کیونکہ موطا کے سولہ نسخے ہیں جو امام مالکؒ کے مختلف شاگردوں

نے قلمبند کیے۔ ان میں باہم کچھ نہ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے یعنی کچھ روایتیں بعض نسخوں میں مندرج ہیں۔ مگر دوسروں میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں۔ یہ اختلاف و انتشار دیکھ کر علامہ ابن عبدالبرؒ نے کتاب التقصی کے نام سے ایک تصنیف مدون کی جس میں علاوہ ان احادیث کے جن پر مؤطا کے تمام نسخے متفق ہیں۔ وہ حدیثیں بھی مؤطا کے مختلف نسخوں سے لے کر درج کیں۔ جو بعض نسخوں میں موجود تھیں اور دوسروں میں قلم انداز ہوگئی تھیں (دیکھو بستان المحدثین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۹-۲۶) پس ظاہر ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے مؤطا کی یہ روایت جس میں یزید بن خصیفہ تابعیؒ سائب بن یزید صحابیؓ سے بیس رکعت نقل کرتے ہیں یا تو مؤطا کے ان نسخوں سے نقل کی ہوگی جو مصر میں متداول ہوں گے یا کتاب التقصی سے اخذ کی ہوگی جس میں علامہ ابن عبدالبرؒ نے موطا کے تمام نسخوں کی احادیث کا استقصا فرمایا ہے۔ بہر حال اس میں آپ کے لئے انکار و اعراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ آپ کی جماعت کے روح رواں اور مقتدائے اعظم قاضی شوکانی نے بھی اس کو بیس رکعت تراویح کے اثبات میں نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ قاضی موصوف رقمطراز ہیں۔

و فی المؤطا من طریق یزید بن خصیفۃؒ عن السائب بن یزید انہا عشرون رکعۃ

(نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۹۸-۲۹۹) (موطا میں بطریق یزید بن خصیفہؒ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ سے بیس رکعتیں روایت کی گئی ہیں)

اہل حدیث ۔ اچھا۔ یزید بن خصیفہ راوی جو امام مالکؒ کے استاد اور حضرت سائبؓ بن یزید صحابی کے شاگرد ہیں ثقہ ہیں یا غیر ثقہ؟

اہل سنت ۔ علامہ ابن حجرؒ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ کندی مدنیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد اور سائب بن یزید اور محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان اور عمرو بن

عبداللہ بن کعب سے اور اُن سے امام مالکؒ، ابو علقمہ فروی، سفیان ثوری، سفیان بن عُیَیْنہ اور دوسرے حضرات نے روایت کی۔ امام احمد، ابو حاتم اور نسائی نے ان کو ثقہ بتایا ہے ابن معین نے انہیں ثقہ حجت قرار دیا ہے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ عابد، ناسک، کثیر الحدیث اور ثقہ تھے۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔" یہ درج کر کے ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ وہ حضرت سائب بن یزید صحابی رضؓ کے برادرزادہ تھے۔ بہر حال وہ ثقہ ناموں تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۳۴۰)

اہل حدیث۔ کیا امام مالکؒ کے علاوہ کسی اور امام حدیث نے بھی بیس رکعت تراویح کو حضرت سائب بن یزید صحابی سے روایت کیا ہے؟

اہل سنت۔ ہاں مروزیؒ، بیہقیؒ وغیرھما نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ لیکن یہ تو فرمایئے کہ امام مالکؒ کی متذکرہ صدر حدیث کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

اہل حدیث۔ ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

اہل سنت۔ دیکھئے بیہقیؒ سُنَن کُبریٰ میں چند راویوں کے نام درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں

عن ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکؤن علی عصیھم فی عھد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام (السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶) (ابن ابی ذئب رح نے یزید بن خصیفہ رح سے روایت کی کہ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ نے فرمایا کہ ماہ رمضان میں صحابہ و تابعین بیس تراویح پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ایک رکعت میں قرآن کی سو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور امیر المؤمنین عثمان ذو النورین رضؓ کے عہد مبارک میں لوگ شدت قیام کی تاب نہ لا کر اپنی اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔

اہل حدیث۔ سائب بن یزید صحابی سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں گیارہ رکعات کے ساتھ قیام کیا جاتا تھا۔ جو سعید بن منصور اور امام مالکؒ کی روایت سے امام سیوطی کی کتاب (مصابیح) کے خلاصہ سے نقل ہو چکا ہے اور اس سند کو امام سیوطیؒ نے فی غایۃ الصحۃ کہا ہے پس سائب بن یزیدؓ کی روایت گیارہ رکعت کی صحیح ہے نہ کہ بیس کی۔ (انارۃ المصابیح مؤلفہ سیالکوٹی صاحب ص ۲۷)

اہل سنت۔ مولانا سیالکوٹی صاحب نے اپنی آنکھوں پر تعصب اور تنگ نظری کی جو عینک لگا رکھی ہے۔ اس سے انہیں مفید مطلب بات کے سوا کوئی چیز سوجھائی نہیں دیتی اگر یہ عینک آنکھوں پر نہ ہوتی تو انہیں صاف دکھائی دیتا کہ جس طرح سیوطیؒ نے گیارہ رکعت کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح حضرت سائب بن یزیدؓ کی اس حدیث کو بھی صحیح بتایا ہے جس میں بیس رکعتیں مذکور ہیں۔ چنانچہ سیوطی اپنی اسی کتاب (مصابیح) میں رقمطراز ہیں۔

وفی سنن البیھقی وغیرہ باسناد صحیح عن السائب بن یزید الصحابی قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ (مصابیح مطبوعہ ثنائی برقی پریس امرتسر ص ۸) (اور سنن بیہقی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

اور لطف یہ ہے کہ سیوطیؒ نے صرف اپنی اس تحقیق پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ علی رغم انف سیالکوٹی علامہ سبکی رحمہ اللہ کا بیان نقل کر کے بھی اپنی تحقیق کی تصدیق و توثیق فرمائی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

وقال السبکی فی شرح المنھاج اعلم انہ لم ینقل کم صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلک اللیالی ھل ھو عشرون او اقل، ومذھبنا ان التراویح عشرون رکعۃ لما روی البیھقی وغیرہ بالاسناد الصحیح عن السائب بن یزید الصحابی رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ۔ (مصابیح ترجمہ

امام سیوطیؒ ص ۱۴۲) (سبکی نے شرح منہاج میں لکھا ہے کہ یاد رکھو کہ کسی صحیح روایت میں) منقول نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھیں بیس یا کم (یا زیادہ) اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے کیونکہ بیہقیؒ نے اسناد صحیح کے ساتھ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ سے بیس رکعتیں روایت کی ہیں۔

یاد رہے کہ سیوطیؒ کے اس رسالہ مصابیح کو کسی حنفی نے طبع کرا کر شائع نہیں کیا۔ بلکہ اس کو کچھ عرصہ پیشتر جماعت اہل حدیث کے روح رواں اور سرگروہ اعظم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فاتح قادیاں اطال اللہ عمرہٗ نے بزعم خود بیس رکعت تراویح کی نفی میں اپنے ثنائی برقی پریس امرتسر میں چھاپ کر شائع کیا تھا۔

اہل حدیث سُنن بیہقی کی جو روایت آپ نے اوپر درج کی اس کے راویوں کی کیا حالت ہے ؟

اہل سنّت جب سیوطیؒ اور سبکی جیسے ناقدین فن اس کو صحیح الاسناد لکھ رہے ہیں تو پھر کسی شک اور وہم کی کہاں گنجائش ہے ؟

اہل حدیث ۔ تاہم کچھ نہ کچھ تو روشنی ڈالنی چاہیئے۔

اہل سنّت ۔ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ کی نسبت سیالکوٹی صاحب نے لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ یقیناً پایا ہے ۔ کیونکہ وہ صحابی ہیں بلکہ مدینہ شریف میں سب صحابہ کے بعد فوت ہوئے ۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۸) اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بیس رکعت پڑھنے والے وہ سینکڑوں صحابہ کرام تھے جو عہد فاروقی میں مدینہ طیبہ کے اندر اقامت فرما تھے۔ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ کے شاگرد یزید بن خصیفہؒ کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے ۔ یزید بن خصیفہؒ کے شاگرد ابن ابی ذئبؒ کی نسبت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں :" محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب معروف بہ ہشام بن شعبہ قرشی عامری ابوالحارث مدنیؒ نے

عبداللہ بن سائب بن یزید، حارث بن عبدالرحمٰن قرشی، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، قاسم بن عباس نافع مولیٰ ابن عمر، زہری، محمد بن منکدر وغیرہم سے اور ان سے سفیان ثوری، معمر، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید قطان، عبداللہ بن وہب اور دوسرے حضرات نے روایت کی۔ ابو داؤدؒ محدث کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو یہ فرماتے سنا کہ ابن ابی ذئبؒ سعید بن مسیّب کے مشابہ تھے۔ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ کیا ابن ابی ذئب کے بعد ان کے شہر میں ان کا کوئی جانشین اور نعم البدل ہوا؟ فرمایا نہیں۔ نہ ان کے شہر میں اور نہ کسی دوسری جگہ" یعقوب بن سفیان کا بیان ہے کہ امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ امام مالک زیادہ عالم ہیں یا ابن ابی ذئب؟ فرمایا کہ ابن ابی ذئب امام مالکؒ سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور سلاطین کے سامنے ان سے زیادہ حق گو تھے۔ ایک مرتبہ ابن ابی ذئبؒ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے پاس گئے، اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرتے ہوئے خلیفہ سے برملا کہہ دیا کہ تیرے دروازے پر ظلم کا علانیہ ارتکاب ہو رہا ہے۔" ابن حبان نے لکھا ہے کہ ابن ابی ذئب ثقہ اور اہل مدینہ کے فقہاء وعباد میں سے تھے اور ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حق گوئی میں تیغ بے نیام تھے۔ یحییٰ بن معین اور نسائی نے بھی ان کو ثقہ بتایا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۰۶)

ابن ابی ذئبؒ سے یہ روایت ان کے شاگرد علی بن جعد کو پہنچی تھی۔ علی بن جعد بن عُبَید جوہریؒ ثقہ ثبت ہیں، ۲۳۰ھ میں انتقال فرمایا (تقریب التہذیب ص ۲۶۹) علی بن جعدؒ سے یہ حدیث عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بغویؒ نے روایت کی۔

تیسری روایت۔ متذکرہ صدر دونوں روایتوں کی تائید مروزیؒ کی روایت سے ہوتی ہے علامہ عینی رحمہ اللہ شرح صحیح بخاری میں رقمطراز ہیں۔

روی محمد بن نصر من روایۃ یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید انہم کانوا یقومون

فی رمضان بعشرین رکعۃ (محمد بن نصر مروزیؒ نے یزید بن خصیفہ سے روایت کی کہ سائب بن یزید صحابیؓ نے فرمایا کہ صحابہ و تابعین رمضان میں ۲۰ رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے۔

اور علامہ مروزیؒ کے متعلق مولانا سیالکوٹی لکھتے ہیں " امام محمد بن نصر مروزیؒ بڑے پایہ کے امام حدیث ہیں (انارۃ المصابیح)

چوتھی روایت۔ شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ رقم فرما ہیں۔

وروی البیہقی فی معرفۃ السنن والآثار عن السائب بن یزیدؓ قال کنا نقوم فی خلافۃ عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر قال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیح (فتح القدیر جلد اول ص ۲۰۵) (بیہقیؒ نے کتاب معرفۃ السنن میں روایت کی کہ حضرت سائب بن یزید صحابیؓ نے فرمایا کہ ہم حضرت عمرؓ کی خلافت میں بیس رکعت تراویح اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ امام نووی نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا اسناد صحیح ہے۔

اہل حدیث۔ یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ اس لئے قابل عمل نہیں۔

اہل سنت۔ کیا ایسی حدیث بھی ضعیف ہوسکتی ہے جس کو امام نوویؒ جیسے محدث اور نقاد فن صحیح الاسناد کہیں۔

اہل حدیث۔ ہاں بڑوں بڑوں سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کا ایک راوی ابو عثمان بصری قابل اعتبار نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں کہا کہ وہ مشہور معتزلی ہے۔

عہ وھذا الاثر من ھذا الوجہ قد صحح اسنادہ العلامہ السبکی فی شرح المنہاج وعلی القاری فی شرح الموطا قال اخبرنا ابو طاہر الفقیہ قال انا ابو عثمان البصری قال حدثنا ابو احمد بن عبد الوہاب قال اخبرنا خالد بن مخلد قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنی یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید۔

لوگوں کو بدعت کی دعوت دیتا تھا۔ محدثین کی ایک جماعت نے اسے کاذب بتایا ہے ملاص ۲۸۶)
امام بخاری "کتاب الضعفاء الصغیر" میں لکھتے ہیں کہ امام یحییٰ بن سعید قطان نے ابو عثمان عمرو بن
عُبَید بصری کو ترک کر دیا تھا مطر بن وراق نے کہا وہ کاذب ہے (صفحہ ۲۶) امام نسائی کتاب
الضعفاء والمتروکین میں فرماتے ہیں کہ ابو عثمان عمرو بن عُبَید بصری متروک الحدیث ہے
(صفحہ ۲۳) حافظ صفی الدین احمد خلاصہ میں فرماتے ہیں کہ عمرو بن عُبَید تمیمی معتزلہ کا سردار ہے
عمرو بن علی نے اسے ترک کر دیا تھا اور یونس بن عبید نے اسے جھوٹا کہا۔ نتیجہ ایسے
شخص کی روایت معتبر نہیں (انارۃ المصابیح مولفہ سیالکوٹی صاحب ص ۲۶-۲۷)

اہل سنت۔ مولٰنا سیالکوٹی اطال اللہ عمرہٗ ایک اسلامی فرقہ کے پیشوا ہونے کی
حیثیت سے ہمارے لئے بھی واجب الاحترام ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یا تو بڑھاپے نے ان
کی عقل ماردی ہے یا تعصب و تنگ حوصلگی کا مرض صعب ان کو حق و باطل میں تمیز کرنے کی
مہلت نہیں دیتا۔ امام بیہقی نے معرفۃ السنن کی متذکرہ صدر روایت جس پر سیالکوٹی صاحب
نے اتنا جوش و خروش دکھایا اپنے استاد علامہ ابو طاہر فقیہ سے اور انہوں نے اپنے استاد عمرو
بن عبداللہ ابو عثمان بصری سے سنی تھی یعنی بیہقی اور ابو عثمان بصری میں صرف ایک واسطہ ہے
بیہقی نے ۴۵۸ھ میں اور ان کے استاد الاستاذ ابو عثمان بصری نے ان سے قریباً چالیس سال
پہلے یعنی ۴۱۸ھ کے قریب اس سرائے فانی کو الوداع کہا تھا۔ ان کے علاوہ دو اور بھی ابو عثمان
بصری ہیں (۱) جعد بن دینار یشکری ابو عثمان بصری رحمہ اللہ جنہوں نے حضرت انس بن مالک
رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری وغیرہما سے روایت کی (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۸۰) (۲)
عمرو بن عُبَید تمیمی ابو عثمان بصری معتزلی جو مذہب حق اہل سنت و جماعت سے روگرداں ہو کر
واصل بن عطا رئیس المعتزلہ کے اغوا سے معتزلی ہو گیا تھا ۸۳ھ میں پیدا ہوا اور ۱۴۳ھ میں

مرا (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۷۲) ان تینوں میں سے پہلے دونوں ثقہ ہیں اور آخرالذکر یعنی تمیمی ضعیف ہے چونکہ سیالکوٹی صاحب کی دلی آرزو ہے کہ حق کو مقہور و مستور کرکے شعار باطل کو فروغ دیں۔ اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ تینوں میں سے ایسے شخص کو چھانٹ لیں جو جرح کا محتمل ہو اور بسہولت اعتراضات کا آماجگاہ بن سکے۔ تاکہ روایت کو ضعیف ٹھہرا کر اہل حق کو نیچا دکھانے کا موقع ہاتھ آئے۔ چنانچہ ان کی نگاہِ انتخاب ان میں سے تیسرے شخص پر پڑی اور انہوں نے دھڑلے سے عمرو بن عُبَید معتزلی پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کردی۔ حالانکہ اگر سیالکوٹی صاحب کی آنکھوں پر تعصب کی چربی نہ چھائی ہوتی۔ تو انہیں صاف نظر آتا کہ بیہقیؒ کے استاد الاستاذ ابو عثمان بصریؒ تو عَمرو بن عُبَید معتزلی سے جس پر انہوں نے اس شد و مد سے یورش کی ہے، کوئی ڈھائی سو سال پیچھے پیدا ہوئے تھے۔ شیخ ابن حجر امام بخاریؒ امام یحیٰی بن سعید قطانؒ اور نسائی نے جس ابوعثمان بصری کو ضعیف بتایا ہے۔ وہ بیہقیؒ کے استاد الاستاذ نہیں بلکہ وہی معتزلی نابکار تھا جو امام حسن بصریؒ کی صحبت ترک کرکے واصل بن عطا کی ٹولی میں جا ملا تھا۔ سیالکوٹی صاحب قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ لیکن اس پیرانہ سالی میں بھی مغالطہ دہی اور بطالت کوشی کا بھوت ان کے سر پر سوار ہے۔ اس قسم کی خفیف الحرکتی کسی طرح ان کے شایانِ شان نہیں ہے۔

اہل حدیث۔ ہم یہ جتلا دینا چاہتے ہیں کہ حضرات حنفیہ کا قدم فن حدیث کی روایت اور اس کی صحت و سقم کی معرفت میں مجموعی طور پر بہت پیچھے ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدرت کی طرف سے اس کام کے لئے پیدا ہی نہیں کئے گئے اور یہ بات ہم تعصب یا حمایت مذہبی کی بنا پر نہیں بلکہ حال واقعی اور آئمہ محدثین کی تصریحات سے کہتے ہیں۔ یہ تو ان کے بزرگ علماء کا حال ہے کہ وہ اس فن میں کم مایہ ہیں۔ لیکن ان کے چھوٹے علماء جن کے قبضہ

میں عوام ہیں وہ تو اور ہی غضب ڈھاتے ہیں کہ لوگوں تک علم کو صحت و صفائی کے ساتھ نہیں پہنچاتے۔ بلکہ حق کو چھپا کر اور حق و باطل کو ملا کر یا تحریف کر کے ان سے اپنے مقاصد پورے کراتے ہیں۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۶)

اہل سنت ۔ سیالکوٹی صاحب علم حدیث میں جس قابلیت کے مالک ہیں اور فن حدیث کی روایت اور اس کی صحت و سقم کی معرفت میں ان کی جو شخصیت ہے وہ اس رسالہ کا مطالعہ کرنے والوں پر کچھ تو واضح ہو چکی ہوگی اور کچھ انشاء اللہ العزیز آئندہ اوراق میں واضح ہو جائے گی۔ بایں ہمہ بے مائیگی انہیں اپنی ہمہ دانی کا اتنا غرور ہے کہ دنیا کے کسی حنفی کو خاطر ہی میں نہیں لاتے ان کی تحریریں پڑھکر محسوس ہوتا ہے کہ گو وہ بذات خود سیالکوٹ کی گلیوں میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں لیکن ان کے طاغوت آشیاں دماغ نے کبر و غرور کے فلک ہفتم میں بسیرا کر رکھا ہے۔ ہندوستان میں جس قدر غیر مقلد مولوی پائے جاتے ہیں، وہ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں اور مولوی نذیر حسین صاحب مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی حنفی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اس اعتبار سے تمام علماء "اہل حدیث" حدیث میں حنفیوں کے شاگرد ہوئے اس کے علاوہ ہندوستان کے کسی غیر مقلد کے پاس کوئی سند حدیث ایسی نہ مل سکے گی جس کے سلسلہ مشائخ میں متعدد حنفی اساتذہ و محدثین کرام کے اسماء گرامی زیب قرطاس نہ ہوں۔ ایسی حالت میں سیالکوٹی صاحب کا حنفیوں کو علم حدیث سے بے بہرہ بتانا سعدی شیرازی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

کس نیاموخت علم تیر از من ۔۔۔ کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

اہل حدیث ۔ کیا آپ مشہور محدثین کرام میں سے کسی ایسے بزرگ کا نام بتا سکتے ہیں جو حنفی مذہب کا پیرو ہو؟

اہل سنت ۔ امام وکیع بن الجراح اور امام یحیٰی بن سعید قطان رحمہما اللہ دونوں

حنفی تھے اور امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتوٰی دیا کرتے تھے (دیکھو تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول ص ۲۸۰-۲۸۲) پس جس مذہب کی پیروی کرنے والی اتنی بڑی بڑی جلیل القدر شخصیتیں ہوں ان کو علم حدیث سے بے بہرہ بتاتے ہوئے ذرا شرم کرنی چاہیئے۔ حماد بن زیدؒ حضرت وکیعؒ کو سفیان ثوریؒ پر اور یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ ان کو حضرت عبداللہ بن مبارک پر ترجیح دیتے تھے۔ (حوالہ مذکور و تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۷) آج سیالکوٹی صاحب اپنی کوتاہ نظری سے حنفیوں کو یہ طعنہ دے رہے ہیں کہ انہیں حدیث کی صحت و سقم کی معرفت حاصل نہیں حالانکہ اسلام میں سب سے پہلے جس بزرگ ہستی نے اس فن یعنی راویوں کی جرح و تعدیل میں کتاب لکھی وہ ایک حنفی عالم امام یحییٰ بن سعید قطانؒ تھے وہ اس رتبہ کے بزرگ تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ میری آنکھوں نے ان کی کوئی نظیر نہیں دیکھی یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، احمد بن حنبلؒ، ابو خیثمہ رحمہم اللہ جیسے آئمہ اعلام سب ان کے شاگرد تھے۔ (دیکھو لسان المیزان جلد اول ص ۷)

پانچویں روایت۔ اب پانچویں روایت ملاحظہ ہو۔

قال ابن عبد البرؒ وروی الحارث بن عبد الرحمٰن ابن ابی ذباب عن السائب بن یزیدؓ قال کان القیام علی عھد عمرؓ بثلاث وعشرین رکعۃ ھذا محمولٌ علی ان الثلاث الوتر (عینی شرح بخاری جلد ۵ ص ۳۵۷)

(ابن عبد البر محدثؒ فرماتے ہیں کہ حارث بن عبد الرحمٰن بن ابی ذبابؒ نے حضرت سائب بن یزید صحابیؓ سے روایت کی کہ حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں قیام رمضان تئیس رکعت کے ساتھ ہوتا تھا۔ ابن عبد البرؒ نے کہا کہ ان میں تین رکعتیں وتر کی ہیں۔

اہل حدیث تقریب میں ابن ابی ذباب کی بابت صدوق یہم لکھا ہے صدوق

کا لفظ مراتب تعدیل میں نہایت گھٹیا درجہ کا ہے۔ پھر اس کے ساتھ وہ وہمی بھی ہے۔
(انارۃ المصابیح ص ۳۹)

اہل سنت ابن ابی ذباب مراتب تعدیل میں گھٹیا ہی سہی مگر عادل ہی تو ہیں، اس سے قطع نظر علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:۔ میں کہتا ہوں کہ ابن حبانؒ نے ابن ابی ذباب کو ثقات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مُتقن (محکم و استوار) تھے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۴۸) پس ان سے احتجاج درست ہے۔

اہل حدیث مگر آپ نے جو یہ پانچ روایتیں پیش کی ہیں ان میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو صحابہ کرامؓ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے وہ حسب فرمان حضرت عمرؓ پڑھتے تھے یا اپنی مرضی سے؟ (رکعات تراویح ص ۱۲) خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا گیارہ رکعت پڑھنا نہایت صحیح سند سے ثابت ہے اور آپ کے زمانہ میں آپ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا ۲۳ رکعت مع وتر پڑھنا ہرگز ہرگز کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں (فتاوائے نذیریہ جلد اول صفحہ ۳۳۹)

اہل سنت افتراق امت کی حدیث میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناجی فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں (ترمذی و ابن ماجہ) اس حدیث میں امت مابعد کو مطلقاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ خلفائے راشدین وغیرہم کی کوئی تخصیص نہیں پس یہ کہنا کہ ان حدیثوں میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ صحابہ کرام جو بیس رکعت پڑھتے تھے وہ حسب فرمان حضرت عمرؓ پڑھتے تھے یا اپنی مرضی سے؟ انتہا درجہ کی نادانی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کوئی حامل وحی اور صاحب شریعت نہیں تھے کہ صحابہ کرامؓ کے لئے ان کے حکم کی پابندی ضرور تھی۔ یہ حضرات خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے تربیت یافتہ تھے۔ انہیں سُنَنِ ہدیٰ اور احکامِ شریعت میں فاروق اعظمؓ یا کسی دوسرے خلیفۂ راشد کی راہنمائی کی احتیاج نہیں تھی۔ ان حضرات کی تو یہ شان تھی کہ اگر بالفرض کبھی خلفائے راشدینؓ سے کوئی بھول چوک ہو جاتی تو بہت سے صحابۂ کرامؓ اس کی اصلاح کر سکتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ ایک سال حج کے موقعہ پر امیرالمومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں۔ اب یہ کیا انقلاب ہے (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۴۷)

اس سے قطع نظر یہاں چند روایتیں ایسی بھی درج کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ تمام لوگ حضرت عمر فاروق ہی کے حکم سے بیس رکعت پڑھتے تھے۔

چھٹی روایت۔ اب چھٹی روایت ملاحظہ ہو۔

عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وتمیم الداری علی احدی وعشرین رکعۃ رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ (فتح الباری جلد ۴ ص ۱۸۰) (حضرت سائب بن یزید صحابیؓ کا بیان ہے کہ عمر بن خطابؓ نے لوگوں کو رمضان میں حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتداء میں (وتر سمیت) اکیس رکعت پر جمع کیا۔

اس روایت میں جو ۲۱ رکعت کی تعداد بتائی گئی ہے سو اس میں ایک رکعت نماز وتر داخل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایک رکعت وتر بھی پڑھ لیتے تھے۔ علامہ ابن حجرؒ نے یہ روایت بلا اسناد تلخیص کی ہے اور حدیث کا آخری حصہ بھی حذف کر دیا ہے لیکن یہاں یہی روایت عینیؒ کی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری (جلد ۵ ص ۳۵۷) سے مکمل اور بالاسناد درج کی جاتی ہے۔

روی عبدالرزاق فی المصنف عن داؤد بن قیس وغیرہ عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وعلی تمیم الداری علی احدی وعشرین رکعۃ یقومون بالمئین وینصرفون فی فروع الفجر قلت قال ابن عبدالبر ھو محمول علی ان الواحدۃ الوتر۔

(محدث عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں داؤد بن قیس وغیرہ سے اور انہوں نے محمد بن یوسف ؒ سے روایت کی۔ کہ حضرت سائب بن یزید صحابی نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتدا میں اکیس رکعت پر جمع کیا تھا۔ ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور لوگ فجر سے تھوڑا پہلے گھروں کو لوٹتے تھے ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ اکیس میں ایک رکعت وتر کی ہے۔

اہل حدیث۔اس حدیث کے راوی کیسے ہیں؟

اہل سنت سب ثقہ ہیں اس کے پہلے راوی عبدالرزاق محدث کے استاد امام داؤد بن قیس ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی ان کی نسبت لکھتے ہیں داؤد بن قیس صنانی نے وہب بن منبہ سے اور ان سے ان کے پوتے سلیمان بن ایوب بن داؤد بن قیس اور عبدالرزاق اور ہشام بن یوسف نے روایت کی ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۹۹) داؤد بن قیس ثقہ اور صالح الحدیث ہیں (انارۃ المصابیح ص ۳۹) دوسرے راوی داؤد بن قیس کے استاد محمد بن یوسف ہیں جو امام مالکؒ کے بھی استاد تھے۔ان کے متعلق خود سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں کہ محمد بن یوسف مدینہ شریف کے بڑے معزز اور عظیم الشان لوگوں میں سے ہیں۔حدیث میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ محمد بن یوسف اپنے استاد سائب بن یزید صحابیؓ کے نواسے یا بھانجے یا بھتیجے ہیں یعنی قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے گھر کے آدمی تھے۔ (انارۃ المصابیح صفحہ ۴۰) اچھا آپ کے پاس اس روایت کا کیا جواب ہے؟

اہل حدیث۔حارث بن ابی ذباب اور داؤد بن قیس کی روایتیں آپس میں مختلف

ہیں۔ کیونکہ حارث بن ابی ذباب حضرت سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے وقت ۲۳ رکعت کے ساتھ قیام ہوتا تھا اور دوسری میں داؤد بن قیس امام مالکؒ کے استاد محمد بن یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رمضان میں لوگوں کو حضرت اُبی اور تمیم داری پر اکیس رکعات پر جمع کیا تھا (انارۃ المصابیح مؤلفہ سیالکوٹی صاحب صفحہ ۳۸)

اہل سنت۔ ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جب کبھی وتر کی ایک رکعت پڑھی گئی تو کل اکیس ہوئیں اور جب وتر تین رکعت پڑھے گئے۔ تو مجموعی تئیس رکعتیں ہوئیں

ساتویں روایت۔ اور سنئے!

حدثنا وکیع عن مالک بن انس عن یحیٰی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلاً ان یصلی بھم عشرین رکعۃ رواہ ابن شیبہ فی مصنفہ۔ (ہم کو امام وکیعؒ نے خبر دی۔ انہوں نے امام مالکؒ سے روایت کی کہ انہوں نے یحیٰی بن سعیدؒ سے سنا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص (اُبی بن کعبؓ) کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کریں)

یحیٰی بن سعید انصاری نجاری ابوسعید مدنیؒ امام مالکؒ کے استاد تھے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، سعید بن مسیبؒ، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ، زہری، نافع مولیٰ ابن عمر وغیرہم سے اور ان سے امام مالک، ابن اسحاق، ابن ابی ذئب، اوزاعی، شعبہ، سفیان، ثوری، ابن جریج، یزید بن ہارون وغیرہم نے روایت کی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ یحیٰی بن سعید انصاری ثقہ کثیر الحدیث حجت اور ثبت تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ یحیٰی بن معینؒ، ابو حاتم، ابو زرعہ، نسائی کے نزدیک ثقہ ہیں۔ حضرت انسؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی ۱۴۳ھ میں انتقال فرمایا (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۲)

اہل حدیث۔ واقعی یحیٰی بن سعید جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ تقریب التہذیب میں

ان کی تعریف میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ ثقہ متقن، امام قدوہ اور حاشیہ تقریب میں ان کے شاگرد امام احمدؒ کا قول منقول ہے کہ میری آنکھوں نے ان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا۔ محمد بن بشار نے ان کو امام اہلِ زمانہ کہا ہے (انارة المصابیح ص ۳۵)

اہل سنت۔ پھر تو آپ ان کے بیان کو بالکل سچا سمجھتے ہوں گے؟

اہل حدیث۔ یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہیں ہے یحیٰی بن سعید انصاری نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا (رکعات تراویح مولفہ سکرٹری صاحب ص ۱۳)

اہل سنت۔ کیا انہوں نے ثقہ عادل، امام اہل زمانہ اور خصوصاً جرح و تعدیل کے امام ہونے کے باوجود بلا تحقیق ایک بے اصل چیز روایت کر دی؟ یا تو انہیں معتبر اور سچا سمجھو یا ان اوصاف سے متصف نہ مانو۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی تو کچھ کہیں وہ آپ لوگوں کے نزدیک وحی آسمانی متصور ہو لیکن امام اہل زمانہ ایسے بزرگ ہستی کے بیان پر اعتبار نہ کیا جائے کہ جس کی مثال امام احمد رحمہ اللہ نے کسی کو نہ دیکھا تھا۔ یہ کیا ہوا بھی ہے بہرحال ان روایات سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ اور دوسرے حضرات جو بیس تراویح پڑھتے تھے۔ وہ امیر المومنین عمر فاروقؓ ہی کے حکم کی تعمیل تھی۔

رہا سیکرٹری صاحب کا یہ عذر کہ اس روایت میں انقطاع ہے سو اس کے متعلق التماس ہے کہ اگر کسی حدیث کے راوی ثقہ ہوں تو اس کا مرسل یا منقطع ہونا کچھ بھی مضرت رساں نہیں ہوتا مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا سلسلہ اسناد آخیر سے ساقط ہو یعنی صحابی مذکور نہ ہو اور اگر ایک راوی درمیان سے ساقط ہو تو اس کو منقطع کہتے ہیں یحیٰی بن سعید انصاری رحمہ کی روایت جو اوپر درج ہوئی یہ مرسل ہے۔ حدیث مرسل حجت ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

ومذهب مالك وابی حنیفۃ واحمد واکثر الفقہاء انہ یحتج بہ ومذہب الشافعی انہ اذا انضم الی المرسل ما یعتضد بہ احتج وذالک بان یروی ایضاً مسنداً او مرسلاً من جہۃ اُخریٰ او یعمل بہ بعض الصحابۃ او اکثر العلماء۔ (امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ امام احمدؒ اور اکثر فقہا کا یہ مذہب ہے کہ حدیث مرسل حجت ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہ اس وقت حجت ہے جب کوئی اور مُسند یا مُرسل روایت جو دوسرے طریق سے مروی ہو اس کو تقویت پہنچاتی ہو۔ یا اس پر بعض صحابہ یا اکثر علماء نے عمل کیا ہو)

اسی طرح جماعت اہل حدیث کے معتمد و مستند بزرگ علامہ ابن قیمؒ بھی حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

والمرسل اذا اتصل بہ عمل وعضدہ قیاس او قول صحابی او کان مرسلہ معروفاً باختیار الشیوخ ورغبتہ عن الروایۃ عن الضعفاء والمتروکین ونحو ذالک مما یقتضی قوتہ عمل بہ (زاد المعاد جلد اول ص ۱۰۳) (جب کوئی عمل بھی اس مرسل روایت سے متصل ہو اور قیاس یا قول صحابی اس کو تقویت دیتا ہو یا وہ مرسل حدیث مشائخ کے اختیار کرنے سے شہرت حاصل کر چکی ہو اور اس راوی نے ضعفاء و متروکین سے اعراض کیا گیا ہو یا اسی قسم کی کوئی اور ایسی صورت ہو جس سے اس مرسل میں قوت پیدا ہو جائے۔ تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک، اور امام احمد رحمہم اللہ نے روایت مرسل کو صرف اس شرط کے ساتھ قبول فرمایا ہے کہ تابعی ثقہ ہو۔ اس کے سوا انہوں نے کوئی قید نہیں لگائی۔ ان حضرات نے حدیث مرسل کے مقبول ہونے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ ثقہ تابعی نے اپنے کامل وثوق اور حتمی اعتماد ہی کی بنا پر اس کو ارسال کیا ہے۔ اور اگر اس کے نزدیک روایت صحیح نہ ہوتی۔ تو وہ اس کو ارسال نہ کرتا۔ ثقہ تابعی حدیث کو عموماً اس وقت مرسل کرتا تھا جب اس کو حدیث کی صحت

پر کامل وثوق ہوتا تھا اور وہ شہرہ آفاق ہونے کی وجہ سے زبانِ زدِ خاص وعام ہوتی تھی۔
اور شمنیؒ کہتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ تابعی نے وہ روایت ثقات کی ایک جماعت سے
سنی تھی اور اسے اس کی صحت پر حق الیقین تھا لیکن روایت کرتے وقت نہ تو وہ (بوجہ طول عل
ہونے کے) ان تمام اساتذہ کے نام بیان کرتا تھا جن سے روایت پہنچی ہوتی تھی اور نہ ان
کثیر التعداد حضرات میں سے کسی ایک کو ترجیح دے کر تنہا ایک کی طرف منسوب کر سکتا تھا۔
اس بنا پر وہ سہولت اسی میں دیکھتا تھا کہ اُس کو مُرسل کر دے۔

بہرحال اب دیکھ لیجئے کہ نہ صرف امام ابوحنیفہؒ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے مسلک
کے مطابق یہ اور تمام دوسری مُرسل روایتیں جو اس فصل میں مندرج ہونگی واجب العمل ہیں بلکہ
امام شافعیؒ اور علامہ ابن قیمؒ کے شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے بھی یہ روایتیں واجب الاتباع ہیں کیونکہ
نہ صرف حضرت سائب بن یزید صحابی رضؓ کی متذکرہ صدر روایتیں ان کی موید ہیں بلکہ صحابہ کرام تابعین
اتباع تابعین اور ساری ملتِ اسلامیہ کا تعامل بھی ان کو تقویت پہنچا رہا ہے۔

اہل حدیث۔ گو آئمہ مجتہدین نے مُرسل حدیث کو حجت گردانا ہے لیکن محدثین کرامؒ
ان سے متفق نہیں ہیں۔

اہل سنت۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آئمہ مجتہدین کی چشم بصیرت جس درجہ تیز اور
حقیقت شناس واقع ہوئی ہے حضرات محدثینؒ کی سطحی نظر اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ محدث
اور مجتہد میں وہی فرق ہے جو کسی عطّار اور طبیب حاذق میں پایا جاتا ہے جس طرح عطار کے پاس
مفردات کے انبار ہوتے ہیں لیکن ان ادویہ کے افعال و خواص کی اُسے خبر نہیں ہوتی۔ اسی طرح
گو محدثین کرام رحمہم اللہ احادیثِ نبویہ کے حامل ہیں مگر ارشاداتِ نبویہ کی حقیقتِ نفس الامر اور مغز
اور تہ تک پہنچنا مجتہدین عظام ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ رقم فرما ہیں کہ

محدث پچاس برس تک دور دراز سفر اختیار کر کے حدیثیں لکھتا اور سنتا اور کتابیں جمع کرتا رہتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ ان میں کیا احکام ہیں۔ اور اگر اس کی نماز میں کوئی حادثہ پیش آجائے تو اپنے بعض نوجوان شاگردوں سے جو فقہ پڑھکر اس کے پاس حدیث سننے آئے ہوں پوچھتا ہے کہ مسئلہ کس طرح ہے؟ اسی قسم کے محدثوں کو دیکھکر لوگوں کو محدثین پر یہ طعن کرنے کی گنجائش ملی کہ وہ کتابوں کے ڈھیر ہیں لیکن نہیں جانتے کہ ان کے پاس کیا ہے (تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی ص ۱۶۵)

اسی معنیٰ میں سید الخلق خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ وَّ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَىٰ مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد) (فقہ کے بہت سے اٹھانے والے فقیہ نہیں ہوتے اور بعض حاملین فقہ اس کو اپنے سے زیادہ فقیہ کی طرف پہنچاتے ہیں)

یعنی حدیث کے اکثر یاد رکھنے والوں کو خود اس حدیث کا منشاء و مفہوم معلوم نہیں ہوتا اور بعض اس کا مفہوم سمجھتے ہیں لیکن جس کے پاس اس حدیث کی روایت کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ تفقہ کا مالک ہوتا ہے پس لازم ہے کہ جس طرح حدیث سنی ہو انہی الفاظ میں دوسرے کے پاس پہنچا دے مجتہد خود اس کا مطلب سمجھ لے گا" امید ہے کہ اس تصریح کے بعد حضرات "اہل حدیث" حدیث کے منقطع السند ہونے کی حجت بازی چھوڑ دیں گے۔

آٹھویں روایت۔ عن عطاء قال ادرکتہم فی رمضان یصلون عشرین رکعۃ و ثلث رکعات الوتر (قیام اللیل مروزی مطبوعہ لاہور ص ۹۱) (عطاء تابعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ کو رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے۔

عطاء بن ابی رباح اسلم تابعی قرشی رحمہ اللہ نے حضرات ابن عباس ابن عمر ابن عمرو ابن زبیر معاویہ اسامہ بن زید جابر بن عبداللہ زید بن ارقم عبداللہ بن سائب مخزومی عقیل

بن ابی طالب، رافع بن خدیج، ابو درداء، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ
ام المومنین ام سلمہ، ام ہانی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بذاتِ خود اور امیر المومنین عثمان
ذوالنورین، عتاب بن اُسید، اوس بن صامت اور فضل بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے
بطریق ارسال روایت کی اور عطاء بن ابی رباحؒ سے مجاہد، زہری، اعمش، اوزاعی، ابن
جریج، ابن اسحاق، امام جعفر صادق، عبد العزیز بن رفیع، قتادہ، ابن ابی لیلیٰ، امام ابو حنیفہ،
ہمام بن یحییٰ رحمہم اللہ اور دوسری خلق کثیر نے روایت کی۔ ابن سعد کا قول ہے کہ عطاءؒ اور
مجاہدؒ پر ان کے اپنے وقتوں میں عموماً اور عطاء پر خصوصاً اہل مکہ کا فتویٰ ختم ہو گیا۔ عطاءؒ
فرماتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دیکھا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی
اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل مکہ! تعجب ہے کہ تم لوگ میرے پاس آ جمع ہوتے ہو
حالانکہ عطاء تمہارے پاس موجود ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی فرمایا کرتے
تھے۔ ایک مرتبہ ابو جعفر (امام محمد باقرؓ) کے پاس لوگوں کا بڑا ہجوم ہوا انہوں نے مجمع سے
خطاب کر کے فرمایا۔ لوگو! تمہیں عطاء سے فیض حاصل کرنا چاہیئے۔ واللہ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ اور
ابو جعفرؓ فرمایا کرتے تھے کہ مناسکِ حج کا اب عطاءؒ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں رہا۔ امام
ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے جن لوگوں کو دیکھا ان میں عطاءؒ سے افضل کسی کو نہ پایا۔
ابن حبانؒ نے عطاءؒ کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور وہ ثبت حجت اور کبیر الشان امام ہیں۔
(تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۰۲)

ظاہر ہے کہ جب حضرت عطاءؒ جیسی جلیل القدر ہستی نے جس کو تقریباً دو سو اصحاب رضوان
اللہ علیہم کی دید کا شرف حاصل تھا صحابہ کرامؓ کو رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھتے پایا
تو پھر بیس رکعت پر اجماع صحابہؓ ہونے کی نسبت کیا شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے؟

اہل حدیث۔ (خاموش والا جواب)

اہل سنت۔ نویں روایت۔ آٹھویں روایت کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ عن عطاءؒ قال ادرکتُ النّاسَ وھم یصلّون ثلاثًا و عشرین رکعۃ رواہ ابن ابی شیبہ واسنادہ حسن (آثار السنن ۲ ص ۵۵)
(عطاءؒ تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ وتابعین کو تئیس رکعت پڑھتے پایا ہے۔

دسویں روایت۔ یزید بن رومانؒ کا بیان ہے کہ لوگ (صحابہ وتابعین) رمضان میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں تئیس رکعت (بیس تراویح اور تین وتر) پڑھا کرتے تھے۔ رواہ مالک فی المؤطا۔ حضرت یزید بن رومان تابعیؒ امام مالکؒ کے استاد تھے۔ انہوں نے حضرت انسؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور دوسرے حضرات سے روایت کی۔ عالم کثیر الحدیث ثقہ تھے۔ نسائی نے ان کو ثقہ بتایا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۳۲۵)

اہل حدیث۔ اس کو حدیث کہنا لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا ہے کیونکہ یہ تو یزید بن رومان کا قول ہے جس کی سند مذکور نہیں اور بغیر سند کے کوئی روایت قابل غور نہیں ہو سکتی۔ چہ جائیکہ اس پر عمل یا اعتقاد کی بنیاد رکھی جا سکے۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ ۲۳ھ میں شہید ہوئے اور یزید بن رومان ۱۳۰ھ میں فوت ہوا (خلاصہ وغیرہ) پس جب وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا تو اسے حضرت عمرؓ کے زمانہ کا علم بغیر کسی واسطہ کے نہیں ہو سکتا اور وہ مذکور نہیں۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۸)

اہل سنت۔ یہ روایت مرسل ہے اور مرسل کے حجت ہونے کی نسبت ساتویں روایت

کے ذیل میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس صورت میں یزید بن رومانؒ بذات خود ثقہ و عادل ہیں تو اگر انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ انہوں نے یقیناً اپنے راست باز ثقہ اساتذہ مثلاً حضرت انسؓ، حضرت ابن زبیرؓ وغیرہما سے اس کو سُنا ہوگا کسی صادق البیان اور ثقہ عادل کا کسی عادل ثقہ راوی سے سنے بغیر کچھ روایت کر دینا اس کی شان ثقاہت کے خلاف ہے۔ اس لئے یا تو اس کے بیان کو باور کر و یا اس کی ثقاہت اور راستبازی سے انکار کر دو۔ روایت مُرسل کی مثال یوں سمجھو کہ مولٰنا نذیر حسین صاحب دہلوی معروف بہ میاں صاحب حدیث میں مولانا شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگرد تھے اور شاہ محمد اسحٰق صاحب مولٰنا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے۔ اب فرض کرو کہ مولوی نذیر حسین صاحب نے اپنے شاگردوں سے ذکر کیا کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے یوں فرمایا تھا تو کیا آپ لوگ میاں صاحب کو اس بیان میں جھوٹا سمجھیں گے ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ ثقہ عادل ہیں اور ثقہ راوی کا بیان مسترد نہیں کیا جا سکتا اور گو میاں صاحب نے شاہ عبدالعزیزؒ کو نہیں دیکھا لیکن ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے استاد شاہ اسحٰقؒ سے جو ایک ثقہ عادل تھے سُن کر ہی یہ واقعہ بیان کیا ہوگا۔ پس میاں صاحب کا بیان مقبول اور ان لوگوں پر حجت ہے۔ جو ان کو صادق البیان اور راست گو یقین کرتے ہیں اسی طرح جب کسی مرسل حدیث کے راوی ثقہ عادل ہوں تو کسی تابعی کا اپنے صحابی استاد کا نام ذکر نہ کرنا روایت کو ناقابلِ وثوق نہیں ٹھہرا سکتا۔ اور اگر ہم ان کی روایتوں کو دروغ اور ناقابلِ التفات سمجھیں گے۔ تو اس کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ ہم عیاذاً باللہ ان کو دروغ گو سمجھتے ہیں ایسی حالت میں ان کی مُسند روایتوں سے بھی اعتماد اٹھ جائیگا اور علم حدیث کی ساری عمارت ہی پیوند خاک ہو جائے گی۔ اگر روایات حدیث میں سے تابعین عظام کو الگ کر دیا جائے۔ تو گویا ہم نے سہ منزلہ مکان کی درمیانی منزل گرا دی۔ اس صورت میں

نہ تو تیسری منزل قائم رہ سکے گی اور نہ سب سے نچلی منزل کو بقا نصیب ہو گی۔

اس سے قطع نظر علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے فرمایا ہے کہ مؤطا میں جس قدر مُرسل حدیثیں ہیں وہ سب کی سب مُسند یعنی متصل ہیں۔ چنانچہ علامہ ممدوح نے ایک کتاب تصنیف کی۔ جس میں مؤطا کی تمام مرسل منقطع اور معضل حدیثوں میں سے ہر ایک کی سند پیش کر کے سب کا وصل ثابت کر دکھایا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶) میں فرماتے ہیں۔

واتفق اهل الحديث على ان جميع ما فيه صحيح على رای مالك ومن وافقه واما على رای غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند به من طرق اخرى فلا جرم انها صحيحة من هذا الوجه۔ (اور ائمہ حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ مؤطا کی تمام روایتیں امام مالکؒ اور ان کے موافقین کے نزدیک صحیح ہیں۔ ان کے سوا دوسرے محدثین کے نزدیک مؤطا میں کوئی مرسل یا منقطع روایت ایسی نہیں جن کا دوسرے طُرق سے اتصال ثابت نہ ہو۔ اس وجہ سے بلاشبہ مرسل و منقطع روایتیں بھی صحیح ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے مصفّٰی شرح موطا میں مراسیل مؤطا کے متعلق سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ یہاں شاہ صاحب کی تحریر کا اقتباس درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ مؤطا کے التزام صحت کی نسبت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب امام مالکؒ کی کتاب سے زیادہ صحیح نہیں ہے۔ حافظ مغلطائیؒ کا قول ہے کہ سب سے پہلے جس نے صحیح کتاب تصنیف کی وہ امام مالکؒ ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ کتاب مؤطا امام مالکؒ کے نزدیک اور ہر اس شخص کے نزدیک صحیح ہے جس نے مُرسل منقطع وغیرہ قسم کی حدیثوں سے استدلال کرنے میں امام مالکؒ کی تقلید کی ہے یعنی علماء اس بارے میں مختلف ہیں کہ مُرسل اور منقطع حدیثوں پر عمل کرنا صحیح ہے یا نہیں پس امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور اکثر علمائے تبع تابعین کے نزدیک مُرسل اور منقطع روایت پر عمل کرنا صحیح ہے۔ ان حضرات کے نزدیک نہ صرف حضرت عمرؓ اور ان جیسے دوسرے

حضرات کا قول دلیل ہے۔ بلکہ تابعین مدینہ کی کسی جماعت کا اتفاق بھی دلیل ہو سکتا ہے پس امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور تمام اتباعِ تابعین کے نزدیک کتاب مؤطا ساری کی ساری صحیح ہے ؛ اور سیوطیؒ نے شیخ ابن حجرؒ کے اس بیان پر کچھ اضافہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مرسل اور منقطع روایت امام مالکؒ اور ان کے ہم خیال آئمہ کے نزدیک بلا کسی شرط کے حجت ہے۔ اسی طرح ہمارے (شوافع کے) نزدیک بھی اس وقت حجت ہے۔ جب کسی مرفوع یا صحابی کی موقوف روایت سے مؤید ہو اور موطا میں کوئی مرسل ایسی نہیں جو اسی لفظ یا اس کے معنیٰ کی روایات مرفوعہ سے معتضد و مؤید نہ ہو۔ پس یہ کہنا صحیح ہے کہ مؤطا جمیع آئمہ کے نزدیک صحیح ہے۔

اور فقیر (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ اصحاب صحاح ستہ اور حاکم نے مستدرک میں امام مالکؒ کی مرسل حدیثوں کا اتصال اور ان کی موقوف روایتوں کا رفع ثابت کرنے کی بڑی بڑی کوششیں کی ہیں پس اس اعتبار سے یہ کہنا بے جا نہیں کہ یہ تمام کتابیں موطا ہی کی شرحیں اور اس کے متممات ہیں۔ اور شیخ ابن عبدالبر مالکیؒ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مؤطا کی تمام مراسیل کا وصل ثابت کر دکھایا ہے اور لکھا ہے کہ مؤطا میں کل اکسٹھ مراسیل ہیں۔ جن میں سے چار روایتیں ایسی ہیں جن کا اتصال ثابت کرنے سے ہم قاصر رہے ہیں۔ باقی تمام مراسیل و منقطعات کا اتصال دوسرے طُرق و اسناد سے محدثین پر واضح ہو چکا ہے (مصفّٰی شرح مؤطا مطبوعہ دہلی ص ۷-۸)

اسی طرح شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

قال الشافعي اصح الكتب بعد كتاب الله مُؤطّا مالكؒ واتفق اهلُ الحديث انّ جميعَ ما فيه صحيحٌ على رأي مالكٍ ومن وّافقهٗ واما على رأي غيره فليس فيه مرسلٌ ولا منقطعٌ الّا قد اتصل السندُ به في طرقٍ اُخرى فلاجرمَ انّها صحيحةٌ من هذا الوجه (امام شافعی نے فرمایا ہے کہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مؤطا امام مالک ہے اور تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں۔

کہ جو حدیث بھی موطا میں ہے وہ امام مالک اور ان کے ہم خیال علماء کے نزدیک صحیح ہے اور دوسرے علماء کے نزدیک موطا کی تمام حدیثیں اس لئے صحیح ہیں کہ موطا کی کوئی مرسل اور منقطع حدیث ایسی نہیں جس کی سند دوسرے طریقوں سے متصل نہ ہو پس ان کے نزدیک بھی موطا کی تمام حدیثیں صحیح ہیں)

اس بیان کے بعد شاہ ولی اللہؒ نے وہ چاروں روایتیں مصفّٰی میں درج کر دی ہیں۔ جن کا اتصال ثابت نہیں ہو سکا۔ ان چار میں یزید بن رومانؒ کی مندرجہ بالا روایت کہ جس کو غیر متصل اور ضعیف ثابت کرنے کے لئے سیالکوٹی صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں داخل نہیں ہے۔ جو صاحب چاہیں ان چاروں روایتوں کو مصفّٰی (ص ۷-۸) میں دیکھ لیں۔ غرض مؤطا کی تمام حدیثیں بلا استثنا صحیح ہیں اور جو اعتراض یزید بن رومانؒ کی روایت پر کیا گیا تھا۔ اس کی غلطی علی رؤس الاشہاد ظاہر ہو گئی۔

اہل حدیث ۔ یہ خیال کہ موطا مالک کی جملہ مرسل و منقطع روایات کا اتصال ثابت ہے اس لئے یہ انقطاع یزید بن رومان کی روایت کو قبولیت کے درجے سے نہیں گرا سکتا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ بات جملہ روایات کی نسبت علی الاطلاق درست نہیں۔ بلکہ صرف ان روایات کے متعلق ہے جو سند اور آنحضرتؐ کی طرف نسبت کی گئی ہیں۔ دیکھیے حافظ ابن حزم اندلسی محلّٰی میں فرماتے ہیں۔ فَإِنْ ذَكَرُوا قَوْلَ مَالِكٍ بَلَغَنِي أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى عُثْمَانَ الخ اس پر حافظ ابن حزم فرماتے ہیں هٰذَا بَلَاغٌ لَا يَصِحُّ یعنی یہ بلاغ صحیح نہیں ہے۔ دیکھو محلّٰی جلد ۳ ص ۸۸ (انارۃ المصابیح ص ۳۰)

اہل سنّت ۔ مولٰنا سیالکوٹی صاحب کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ از راہ نوازش علامہ ابن حجر عسقلانیؒ شیخ جلال الدین سیوطیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ جو اوپر قلمبند ہوئے ہیں غور سے پڑھیں اگر وہ ان کے مطالعہ کی زحمت گوارا فرمائیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ

چار روایتوں کے سوا امام مالکؒ کی جملہ مُرسل و منقطع روایات کا اتصال ثابت ہے اور انہیں اس حقیقت کا بھی احساس ہو جائے گا کہ یزید بن رومانؒ کی روایت ان چار میں داخل نہیں اور اگر وہ اور ان کے ہم مشرب لوگ ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں تو اس کا ہمارے پاس کچھ علاج نہیں ہے بیالکوٹی صاحب نے ابن حزم ظاہری کی عبارت ہمارے سامنے ناحق پیش کی ہمارے نزدیک وہ کوئی مستند اور صحیح المشرب عالم ربّانی نہیں تھے اس لئے ہم ان کے قول کو کسی طرح حجت نہیں مانتے۔ اور اگر مولٰنا محمد ابراہیم صاحب ابن حزم کی صحیح اعتقادی اور مذہبی حیثیت معلوم کرنا چاہیں تو وہ ذرا تکلیف فرما کر امام ذہبیؒ کی کتاب تذکرۃ الحفاظ (جلد ۳ کے صفحات ۳۴۱-۳۴۶) پڑھ جائیں۔ اس کے بعد ہمارے مقابلہ میں ابن حزم کے قول سے استدلال کرنے کی جرأت کریں۔ اور اگر بالفرض ابن حزم ظاہری مستند علماء میں سے ہیں تو بھی آئمہ جمہور کے مقابلہ میں ان کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ مُوطا کے متعلق ابن حزم کی رائے اس لحاظ سے بھی قابلِ التفات نہیں کہ وہ مالکیوں سے سخت کینہ و بغض رکھتے تھے اور شاید اسی بنا پر انہوں نے مُوطائے مالکؒ کی مقبولیت اور قدر و منزلت زائل کرنے کی کوشش کی جو صریحاً ایک خلافِ دیانت فعل ہے۔

اہلِ حدیث۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ علامہ ابن حزم نے مُوطا کی قدر و وقعت گھٹائی ہو کیونکہ یہ تو بدعتیوں کا خاص شعار ہے جو مولوی محمد شریف صاحب متوطن کوٹلی لوہاراں مغربی ضلع سیالکوٹ کے حصے میں آیا ہے۔ دجل، خیانت، کج فہمی، غلط گوئی، مغالطہ دہی، بہتان و افترا، زیغ قلبی سے صحیح و ثابت شدہ حق کا انکار، تخلیط و التباس حق و باطل، کتمان حق، لوگوں کی نظر میں امام مالکؒ اور ان کی کتاب مُوطا کی قدر و وقعت گھٹانا جو اہلِ بدعت کی خاص نشانی ہے غرض کوئی کمال ایسا نہیں جو محمد شریف صاحب سے چھوٹا ہو۔ (انارۃ المصابیح صفحہ ۱۳۱)

اہلِ سنت ۔ مولوی محمد شریف پر تو یہ محض اتہام وافترا معلوم ہوتا ہے البتہ ابن حزم ظاہری نے بلاشبہ مؤطا کی قدر ومنزلت گھٹانے کی کوشش کی ہے چنانچہ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ کسی نے ابن حزم کے سامنے ذکر کیا کہ تصنیفات میں جلیل القدر کتاب مؤطا ہے تو ابن حزم نے کہا نہیں بلکہ قابل احترام کتابیں یہ ہیں "صحیحین، صحیح سعید بن سکن، منتقی مرتبہ ابن جارود، منتقی مرتبہ قاسم بن اصبغ، مصنف طحاوی، مسند بزار، مسند ابن ابی شیبہ، مسند احمد بن حنبل، مسند ابن راہویہ، مسند طیالسی، مسند حسن بن سفیان، مسند سنجر، مسند عبداللہ بن محمد مسندی، مسند یعقوب بن شیبہ، مسند علی بن المدینی، مسند ابن ابی عزرہ اور وہ کتابیں جو خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے ساتھ مخصوص ہونے میں ان کتابوں کی قائم مقام ہیں۔ ان کے بعد وہ کتابیں جن میں آنحضرتؐ کا اور آپ کے غیر کا کلام مخلوط ہے مثلاً مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مصنف بقی بن مخلد، کتاب محمد بن نصر مروزی، کتاب ابی بکر بن منذر اکبر و اصغر، مصنف حماد بن سلمہ، مصنف سعید بن منصور، مصنف وکیع، مصنف فریابی، مؤطا مالک بن انس، مؤطا ابن ابی ذیب، مؤطا ابن وہب، مسائل احمد بن حنبل، فقہ ابی عبید اور فقہ ابی ثور (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۴۸-۳۴۷)

غرض ابن حزم نے مؤطاے مالکؒ کو قریب قریب تمام کتابوں سے مؤخر کر دیا۔ حالانکہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب مؤطاے مالکؒ سے زیادہ صحیح نہیں ہے اور ابن عربیؒ نے فرمایا کہ مؤطا اصل اول ہے اور صحیح بخاری اصل ثانی ہے اور قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ مؤطا احادیث کے اعتبار سے صحیح تر اور دلائل کے لحاظ سے قوی تر اور فقہی مسلک کے نقطۂ نظر سے واضح تر ہے اور حاسدوں کے علی الرغم اس کتاب کی صحت پر ہر زمانہ میں تمام امت کا اجماع قائم رہا ہے۔ وغیر ذالک من الاقوال۔

علمائے حق سے قطع نظر خود ہمارے سیالکوٹی صاحب نے امام مالکؒ پر بہت کچھ مدح وتحسین کے پھول برسائے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ امام مالکؒ آئمۂ متبوعین کے سرتاج ہیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ امام مالکؒ تابعین کے بعد خدا کی خلقت پر اس کی حجت ہیں معن بن عیسےٰ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ی اور ت کا فرق بھی محفوظ رکھتے تھے۔ امام بخاری کے استاد علی بن مدینیؒ وہیبؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ زمین کے مشرق ومغرب میں ہمارے نزدیک علم حدیث پر امام مالکؒ سے بڑھکر کسی کا احسان نہیں (انارۃ المصابیح ص ۳۸-۳۹) لیکن پھر بھی دیکھو کہ بایں ہمہ ثناء ومنقبت ہمارے سیالکوٹی صاحب بھی مؤطا کی قدر ومنزلت گھٹا کر اپنے فتوٰی کے بموجب اپنے بدعتی ہونے کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

اہل حدیث۔ (چیں بہ جبیں ہوکر) میں نے مؤطا کی کونسی قدر ومنزلت گھٹائی؟

اہل سنت۔ آپ یزید بن رومانؒ کی روایت اور مؤطا کی دوسری مراسیل کو ناقابل التفات قرار دے کر اس سے روگردانی کر رہے ہیں۔

اہل حدیث۔ اگر یزید بن رومان کی روایت امام مالکؒ کے نزدیک صحیح ہوتی تو ان کا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا اور حنفی علمائے اصول بالتصریح فرماتے ہیں کہ اگر راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اُس روایت پر عمل نہیں کیا جائیگا (نور الانوار ص ۱۹۰) رہا اس امر کا ثبوت کہ امام مالکؒ کا اپنا مختار مذہب گیارہ رکعت کا ہے یہ ہے کہ سیوطی اپنے اصحاب میں سے امام جوزی کا قول نقل کرتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا تھا۔ وہ گیارہ رکعت تھی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اور تیرہ بھی اس کے قریب ہے۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۹،۲۴)

۱ **اہل سنت**۔ تمام روایتیں اس حقیقت پر متفق ہیں کہ امام مالک کا مذہب چھتیس رکعت تراویح کا ہے لیکن جوزی نام کسی شخص نے ازراہ بے علمی امام مالکؒ کی طرف گیارہ رکعتیں منسوب

کر دی ہیں اور مولنٰنا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے بھی مفید مطلب پاکر کمال جسارت اس سے
کورانہ استدلال کر دیا ہے معلوم نہیں یہ جوزی جس کا نام سیالکوٹی صاحب نے اس طمطراق سے پیش کیا
کون شخص ہے اور کس طبقہ کا آدمی ہے لیکن حیرت ہے کہ اس غریب کو اتنا بھی علم نہیں کہ امام
مالکؒ کا مذہب دوسرے اہل مدینہ کی طرح چھتیس رکعت کا تھا۔ سیالکوٹی صاحب کی عادت ہے
کہ جس کسی کی کوئی ادا انہیں بھا جاتی ہے اُسی کے سر پر امامت کا تاج رکھ دیتے ہیں۔ ان کے
قلم کرشمہ ساز نے جوزی نام کسی شخص کو اپنے ڈھب کا پایا تو اس کو امامت کا منصب بخش دیا
اگر بازار مذہب میں امامت کوئی ایسی ہی ارزاں جنس ہے کہ جوزی جیسے قاصر العلم بھی اس
کے امیدوار ہیں تو عجب نہیں کہ کل کلاں خود سیالکوٹی صاحب اور ان کے پیر و سکرٹری صاحب
بھی امامت کے تخت پر جلوہ افروز نظر آئیں۔ چونکہ جوزی نے مطلب کی ایک بات کہہ دی اس لئے
وہ امام ہے لیکن اگر وہ حقیقت میں امام اور مقتدائے زمانہ ہوتا مگر اس کے باوجود وہ کوئی ایسی
بات کہہ دیتا جو سیالکوٹی صاحب کی مطلب پرستی کے خلاف ہوتی تو وہ معاً اس کی طرف سے آنکھیں
پھیر لیتے۔ دیکھئے امام داؤد بن قیس رحمہ اللہ کا یہ قصور تھا کہ انہوں نے بیس رکعت تراویح کی
روایت کر دی، اس لئے سیالکوٹی صاحب ان سے خفا ہو گئے اور یہ حیلہ تراش کر ان کی امامت
سے انکار کر دیا کہ کتب احادیث میں ان کی روایتیں معیار معہود سے کم ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ
"داؤد بن قیس ثقہ ہیں صالح الحدیث ہیں لیکن قلیل الحدیث ہیں۔ علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کا
قول ہے کہ ان کی روایات کوئی تیس کے قریب ہیں" اس مقدار سے وہ درجۂ امامت تک نہیں
پہنچ سکتے۔ (انارۃ المصابیح ص ۳۹) لیکن سیالکوٹی صاحب ازراہ کرم اپنے اس معیار کے ماتحت
ذرا یہ بھی تو فرمائیں کہ جوزی جس کو انہوں نے درجۂ امامت بخشا ہے اس کی کتنی روایتیں کتب حدیث
میں موجود ہیں؟ اور اگر ایک بھی نہیں تو مولوی صاحب کو اپنی خود غرضی و نفس پرستی پر کچھ

ندامت محسوس کرنی چاہیئے۔

بالجملہ اگر جوزی اتنا بے خبر تھا تو کم از کم سیالکوٹی صاحب کو تو امام مالکؒ کے مسلک کی طرف سے یوں آنکھیں بند نہ کر لینی چاہئے تھیں۔ کاش وہ تعصب اور عصبیت کی بھول بھلیوں میں پھنس کر جادۂ حق سے ایسی بری طرح منحرف نہ ہوا کریں۔ اب میں مولوی صاحب کو متنبہ کرتا ہوں کہ امام مالک کا مذہب آٹھ رکعت کا نہیں تھا بلکہ وہ چھتیس رکعت تراویح کے قائل تھے اور چھتیس ہی پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں مفصل ان شاء اللہ العزیز اس تفصیل مدیہ ناظرین ہو گی۔

ابن قاسم کا بیان ہے کہ جعفر بن سلیمان نے امام مالک رح کے پاس آدمی بھیج کر دریافت کیا کہ کیا میں قیام رمضان میں تخفیف کر سکتا ہوں؟ امام مالکؒ نے انہیں منع کیا اور تخفیف کو نا پسند فرمایا۔ ابن قاسم سے پوچھا گیا کہ اس وقت مدینہ منورہ میں تراویح کی کتنی رکعتیں پڑھی جاتی تھیں؟ کہا وتر سمیت انتالیس رکعتیں۔ اور حسب روایت ابن ایمن امام مالکؒ نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعتیں پڑھیں۔ ان سے فارغ ہو کر امام ایک رکعت وتر پڑھائے اور یہ عمل مدینہ منورہ میں ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ سے جاری ہے۔ (قیام اللیل مروزی مطبوعہ لاہور ص ۹۲)

حضرت ابن عمرؓ کے آزاد غلام نافعؒ کا بیان ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو انتالیس رکعتیں پڑھتے پایا ہے جن میں تین وتر داخل تھے۔ اسی کو امام مالک نے اختیار کیا ہے۔ لیکن امام شافعیؒ نے وتر کے علاوہ بیس رکعتیں اختیار کی ہیں (کتاب المنتقیٰ شرح موطا جلد اول ص ۲۰۸)

ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں کبھی وتر کی ایک رکعت پڑھی جاتی تھی کبھی تین۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

ثم بعد ذالک کان الناس بالمدینۃ ضعفوا عن طول القیام فکثروا الرکعات حتیٰ بلغت تسعًا وثلاثین۔ (فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد اول ص ۱۸۵) (اس کے بعد جب مدینہ منورہ

میں لوگ طول قیام سے تھک کر کمزور ہو گئے۔ تو رکعتوں کی تعداد (بیس سے) بڑھا دی گئی یہاں تک کہ یہ تعداد انتالیس رکعت تک پہنچ گئی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" میں لکھتے ہیں:۔

روی محمد بن نصر من طریق داؤد بن قیس قال ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان وعمر بن عبدالعزیز یعنی بالمدینۃ یقومون بست وثلاثین رکعۃ ویوترون بثلاث وقال مالک ھو الامر القدیم عندنا (فتح الباری جلد ۴ ص ۱۸۰-۱۸۱)

(حسب روایت محمد بن نصر مروزیؒ داؤد بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانوں میں اہل مدینہ کو چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں قدیم سے اسی قدر رکعتوں کا معمول چلا آتا ہے۔

شیخ ابن حجرؒ آگے چل کر رقم فرما ہیں:۔

عن مالک ست وثلاثون[1] وثلاث الوتر وھذا ھو المشھور (فتح الباری جلد ۴ ص ۱۸۱)

(امام مالکؒ سے چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر منقول ہیں اور ان کی طرف سے یہی تعداد مشہور ہے۔

فرقہ اہل حدیث کے سرتاج قاضی شوکانی لکھتے ہیں:۔

وقال مالک الامر عندنا بتسع وثلاثین (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۹۸)

(امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں تراویح کا حکم انتالیس رکعت ہے۔

قاضی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ اصل نسخہ میں غلطی سے ثلاثون کی جگہ اربعون نقل ہو گیا ہے۔ اس لئے یہاں اس غلطی کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ مؤلف ۱۲

وروی عن مالک ست وثلاثون وثلاث الوتر قال فی الفتح وھذا المشھور عنہ
(نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۹۹) (امام مالکؒ سے ۳۶ رکعت تراویح اور تین وتر منقول ہیں۔ فتح الباری میں لکھا
ہے کہ امام مالکؒ کا یہی مشہور مسلک ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

والذی استقر علیہ الامر واشتھر من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم ھو العشرون وما
روی انھا ثلث وعشرون فبحساب الوتر معھا وقال مالک ست وثلثون او تسع
وثلثون مع الوتر (ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۷) (اور وہ حکم جس پر اجماع ہوا اور صحابہؓ تابعین اور علمائے
مابعد میں مشہور چلا آتا ہے وہ بیس رکعت ہے اور یہ جو روایت ہے کہ تراویح تیئیس رکعت ہے تو وہ تین وتر ملا کر ہے۔
اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ تراویح ۳۶ رکعت یا وتر سمیت ۳۹ رکعت ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔

التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین اجماعًا بعد صلوٰۃ العشاء الی الفجر
وھی عشرون رکعۃ وھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقًا وغربًا وعن مالک
ست وثلاثون (رد المختار جلد اول صفحہ ۵۱۱) (تراویح سنت مؤکدہ ہے کیونکہ خلفاء راشدین رضی
نے اس پر مواظبت فرمائی اور اس کے سنت مؤکدہ ہونے پر اجماع ہے اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے طلوع
فجر تک ہے۔ اس کی رکعتیں بیس ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے۔ اسی پر شرق و غرب کے لوگوں کا عمل ہے اور امام
مالکؒ نے فرمایا ہے کہ تراویح ۳۶ رکعت ہے)

امید ہے کہ اسی قدر روایات و اقوال سیالکوٹی صاحب کی آنکھوں سے حق پوشی کی پٹی
اتارنے کے لئے کافی ہوں گے۔

اہل حدیث اور امام مالک کا (آٹھ رکعت کا) مذہب تو حنفی مذہب کے متعصب حامی

علامہ عینی کو بھی تسلیم ہے۔

اہل سنت۔ اگر آپ راست بیانی سے کام لے رہے ہیں تو آپ کا فرض تھا کہ علامہ عینی کے الفاظ نقل کر دیتے۔ حالانکہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے امام مالکؒ کا مذہب چھتیس رکعت کا کا بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔

وعند مالك رحمه الله تسع ترويحات بستة وثلاثين ركعة غير الوتر واحتج على ذالك بعمل اهل المدينة (عینی شرح ہدایہ مطبوعہ نولکشور جلد اول ص ۸۷)

(امام مالکؒ کے نزدیک نو ترویحے چھتیس رکعتوں کے ساتھ ہیں علاوہ وتر کے اور انہوں نے اس پر اہل مدینہ کے عمل سے استدلال کیا ہے۔

گیارہویں روایت۔ یزید بن رومان رحمہ اللہ کی روایت کی صرف ایک امام مالکؒ ہی نے تخریج نہیں کی۔ بلکہ دوسرے آئمہ حدیث نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ چنانچہ بیہقی رقم فرماتے ہیں۔

عن يزيد بن رومانؒ قال كان الناس يقومون على عهد عمرؓ فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة (سنن بیہقی جلد ۲ ص ۴۹۶) (یزید بن رومانؒ کا بیان ہے کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں رمضان میں (وتر سمیت) تئیس رکعت پڑھتے تھے۔

بارہویں روایت۔ قال محمد بن كعب القرظیؒ كان الناس يصلون فى زمان عمر بن الخطاب فى رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث۔ رواه المروزی۔ (محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عہد فاروقی میں لوگ (صحابہ و تابعین) رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے جن میں قرات بہت طویل ہوتی تھی۔ وتر کی تین رکعتیں پڑھی جاتی تھیں)

محمد بن کعب قرظی مدنی رحمہ اللہ ۴۰ھ میں پیدا ہوئے جلیل القدر تابعی تھے۔ ان کے والد کعب یہودی تھے۔ کعب بھی اسیران بنو قریظہ میں داخل تھے۔ چونکہ نابالغ ہونے کی وجہ سے رہا

کر دیئے گئے۔ محمد بن کعبؒ نے حضرات علی بن ابی طالب، ابن مسعود، عمرو بن عاص، ابوذر غفاری، ابو درداء، فضالہ بن عبید، مغیرہ بن شعبہ، معاویہ، کعب بن عجرہ، ابوہریرہ، زید بن ارقم ابن عباس، ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، براء بن عازب، جابر بن عبداللہ انصاری، انس بن مالک وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت کی۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ محمد بن کعب ثقہ عالم کثیر الحدیث، ورع تھے۔ عجلی نے ان کی نسبت کہا کہ مدنی تابعی، ثقہ، صالح عالم قرآن تھے۔ ابن حبانؒ کا بیان ہے کہ محمد بن کعب علم وفقہ کے اعتبار سے اہل مدینہ کے افاضل العلماء میں داخل تھے۔ ان کے سال وفات میں ۱۰۸ھ سے ۱۲۰ھ تک مختلف اقوال ہیں۔ مسجد میں بیٹھے درس دے رہے تھے کہ مسجد کی چھت گر پڑی اور وہ اپنے شاگردوں سمیت دب کر عالم بقا کو رخصت ہو گئے۔ حضرت محمد بن کعبؒ کی فضیلت میں اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ وہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرتے ہیں۔ چنانچہ مختلف طرق سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاہنوں میں سے ایک شخص ظاہر ہو کر اس خوبی سے قرآن کا درس دیگا کہ اس کے بعد کسی شخص کے درس قرآن میں وہ وصف نہ پایا جائے گا۔ ربیعہؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپس میں کہا کرتے تھے کہ وہ محمد بن کعب ہیں اور کاہن بنو قریظہ اور بنو نظیر ہیں اور عون بن عبداللہؓ (بن جعفر بن ابی طالب) نے فرمایا ہے کہ میں نے قرآن کی تاویل وتفسیر کا عالم محمد بن کعب سے بڑھکر کسی کو نہیں پایا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۲۱۔۴۲۲)

تیرھویں روایت۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ روایت فرماتے ہیں۔

اخبرنا یحیی بن یحیی اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن زید بن وھب قال کان عبداللہ بن مسعودؓ یصلی لنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث (ہم کو یحیی بن یحیی نے انہیں حفص بن غیاث نے اور

انہیں اعمش نے خبر دی کہ زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابیؓ ہمیں ماہ رمضان میں تراویح پڑھا کر بیٹھے تو اعمش کہتے ہیں کہ وہ بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے اور ایسے وقت لوٹتے تھے کہ رات باقی ہوتی تھی)

اب ان راویوں کی الگ الگ تعدیل ملاحظہ ہو۔

یحییٰ بن یحییٰ یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر تمیمی حنظلی، ابوذکریا نیشاپوری نے امام مالکؒ حفص بن غیاث، سلیمان بن بلال وغیرہم سے اور ان سے بخاری، مسلم وغیرہما نے روایت کی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ خراسان نے عبداللہ بن مبارکؒ کے بعد یحییٰ بن یحییٰ جیسا انسان پیدا نہیں کیا۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ یحییٰ بن یحییٰ ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۲۹۷)

حفص بن غیاث حفص بن غیاث بن طلق نخعی ابوعمر کوفی۔ کوفہ اور بغداد کے قاضی رہے ہیں۔ انہوں نے سلیمان تیمی، عبیداللہ بن عمر، یحییٰ بن سعید انصاری، اعمش، سفیان ثوری، امام جعفر صادق وغیرہم سے اور ان سے امام احمد، اسحٰق، ابن معین، ابوداؤد، ابوخیثمہ، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری نے روایت کی۔ یحییٰ قطان نے بھی ہمعصر ہونے کے باوجود ان سے روایت کی۔ ابن معین نے کہا ثقہ ہیں۔ عجلی نے کہا ثقہ مامون فقیہ تھے۔ بسا اوقات امام وکیع بن جراح سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ فرماتے کہ ہمارے قاضی کے پاس جاؤ اور پوچھو۔ نسائی اور ابن خراش نے ان کو ثقہ بتایا ہے اور ابن حبانؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ ۱۹۴ھ میں انتقال فرمایا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۴۱۶)

اعمشؒ سلیمان بن مہران اسدی معروف بہ اعمشؒ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی لیکن ان سے سماع ثابت نہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے بھی روایت کی لیکن کہتے ہیں کہ مرسل ہے۔ اعمشؒ سے سلیمان تیمی، شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابواسحٰق فزاری، عبداللہ بن مبارک، فضیل بن عیاض وغیرہ لوگوں نے روایت کی جن میں

سے سب سے آخری شخص ابونعیم تھے۔ اعمشؒ نے حضرت ابوبکرہ ثقفی صحابی رضؓ کو دیکھا تھا اور ان کی رکاب تھامی تھی اور انہوں نے اعمشؒ سے کہا تھا کہ بیٹا! خدا نے تمہیں تکرم کیا ہے ابن مدینیؒ کا قول ہے کہ چھ حضرات امت محمدی کے لئے علم کا ذخیرہ چھوڑ گئے۔ عمرو بن دینار مکہ میں، زہری مدینہ میں، ابو اسحٰق سبیعی اور اعمش کوفہ میں اور قتادہ اور یحییٰ بن ابی کثیر بصرہ میں۔ ہشیم کہتے ہیں کہ میں نے اعمشؒ سے بڑھکر کوفہ میں کسی کو قرآن کا عالم نہیں پایا ابن عُیینہؒ کا مقولہ ہے کہ اعمشؒ تین باتوں میں اپنے اقران و اماثل سے گوئے سبقت لے گئے۔ قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے، حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے، فرائض کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ حدیث میں جو شفا مجھے اعمش سے نصیب ہوئی۔ وہ کسی دوسرے سے میسر نہ ہوئی۔ ابن عمار کا قول ہے کہ حدیث میں اعمشؒ سے زیادہ ثابت قدم میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ عجلی کہتے ہیں کہ حدیث میں ثقہ ثبت اور اپنے زمانہ میں اہل کوفہ کے محدث تھے۔ ۶۱ھ میں عاشورا کے دن اس روز پیدا ہوئے جس دن کربلا میں حضرت امام حسینؓ نے جرعۂ شہادت نوش فرمایا۔ عیسٰی بن یونس کہتے ہیں کہ ہم نے اعمشؒ کی شان کا کوئی انسان نہیں دیکھا اور نہ اعمش کی طرح کسی کی نظر میں اغنیاء و سلاطین کی تحقیر ہوئی اور لطف یہ ہے کہ انتہا درجہ کے محتاج اور فاقہ مست تھے۔ امام وکیع بن جراحؒ فرماتے ہیں کہ تقریباً دو سال تک اعمش کے پاس میری آمد و رفت رہی۔ انہوں نے کبھی ایک رکعت بھی نہ چھوڑی اور ستر سال کی عمر میں ان کی کوئی تکبیر تحریمہ بھی فوت نہ ہوئی۔ خریبی کہتے ہیں کہ اعمشؒ نے رحلت کے وقت دنیا میں کسی کو اپنے جیسا عبادت گزار نہ چھوڑا۔ ابن معینؒ نے کہا ثقہ ہیں۔ نسائی نے کہا ثقہ ثبت ہیں۔ ۱۴۸ھ میں بعمر ۸۸ سال رحلت فرمائی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۲۳)

زید بن وہب۔ زید بن وہب جہنی ابو سلیمان کوفیؒ نے حضور سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے اشتیاق زیارت میں مدینہ منورہ کا قصد کیا لیکن ابھی راستہ ہی میں تھے کہ آفتاب رسالت رحمت الٰہی کے شفق میں مستور ہو گیا۔ زیدؒ نے حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ ابو ذر غفاریؓ عبداللہ بن مسعودؓ حذیفہؓ ابو درداءؓ ابو موسیٰ اشعریؓ رضی اللہ عنہم سے اور ان سے اعمش عبدالعزیز بن رفیع وغیرہما نے روایت کی یحییٰ بن معین نے کہا ثقہ ہیں۔ ابن خراش نے کہا ثقہ ہیں ۹۶ھ میں انتقال فرمایا۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے ابن سعدؒ نے کہا کہ ثقہ کثیر الحدیث تھے۔ عجلی نے کہا ثقہ ہیں۔ ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ زید بن وہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات میں مشرف با سلام ہوئے اور آنحضرت کی طرف ہجرت کی لیکن شرفِ ادراک سے مشرف نہ ہو سکے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۴۲۷)

اہل حدیث۔ یہ روایت منقطع السند ہے کیونکہ اعمش جو اس قول کا ذمہ وار ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات سے تیس برس بعد پیدا ہوا (رکعات تراویح مولفہ سیکرٹری صاحب ص ۱۳)

اہل سنت۔ انقطاع کے غیر مضر ہونے کے متعلق پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اس روایت میں تو کوئی انقطاع بھی نہیں کیونکہ اعمشؒ نے زید بن وہبؒ سے اور زیدؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سُنا تھا (دیکھو عینی شرح صحیح بخاری جس میں تمام راویوں کے نام درج ہیں) اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود صحابیؓ وہ جلیل القدر ہستی ہے کہ جس کی شان میں حضرت فخر الاولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ (عبداللہؓ بن مسعود کے حکم پر مضبوطی سے جمے رہو) اور فرمایا

مَاحَدَّثَکُمْ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْا (جو کچھ ابن مسعود تم سے بیان کریں اس کو صحیح مانو۔ ترمذی)
اور حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ وقار، اعتدال پسندی اور راست روی کے اعتبار سے حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ (بخاری)

اہل حدیث۔ قیام اللیل مروزی کے اس نسخہ میں جو ملتان کے اہل حدیث (مولوی عبدالغفار اور مولوی عبدالتواب صاحبان) نے بمقام لاہور طبع کرایا تھا سلسلہ رواۃ میں صرف اعمش کا نام ہے۔ دوسرے راویوں کے نام نہیں ہیں۔

اہل سنت۔ یہ تو ملتان کے اہل حدیث ہی سے دریافت کرنا چاہئے۔ کہ راویوں کے نام کہاں غائب غلہ ہو گئے۔

چودھویں روایت۔ محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں۔

کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ یطیلون فیھا القراۃ ویوترون بثلث (قیام اللیل مروزی مطبوعہ لاہور صفحہ ۹۱)

(لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس میں طویل قرأت کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔

محمد بن کعب قرظی مدنی رحمہ اللہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کے آواخر یعنی ۴۰ھ میں متولد ہوئے عباس بن عبدالمطلب، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، عمرو بن عاص، ابوذر غفاری، ابودرداء رضی اللہ عنہم سے روایت کی لیکن کہا گیا ہے کہ یہ سب روایتیں مرسل ہیں۔ اور فضالہ بن عُبید، مغیرہ بن شعبہ، امیر معاویہ، کعب بن عجرہ، ابوہریرہ، زید بن ارقم، ابن عباس ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، براء بن عازب، جابر، انس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے اور محمد بن کعب

سے محمد بن منکدر وغیرہ نے روایت کی۔ ابن سعد نے کہا ثقہ، عالم کثیر الحدیث ورع تھے عجلی نے کہا کہ تابعی ثقہ صالح اور قرآن کے بڑے عالم تھے۔ ابوداؤد کا بیان ہے کہ محمد بن کعب نے حضرت علی، معاویہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے حدیث کی سماعت کی ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف طُرق سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کاہنوں کے دو فرقوں میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا کہ جو قرآن کا ایسی دراست کے ساتھ درس دے گا کہ اس کے بعد کوئی دوسرا شخص اس خوبی سے قرآن کی تعلیم نہ دے سکیگا۔ ربیعہ کا بیان ہے کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ وہ محمد بن کعب ہیں اور دو کاہن بنو قریظہ اور بنو نظیر یہود کے دو قبیلے ہیں۔ جب عہد نبوی میں لشکر اسلام نے بنو قریظہ کو قید کیا ہے تو محمد بن کعب کا باپ بھی ان قیدیوں میں داخل تھا لیکن عدم بلوغ کی وجہ سے رہا کر دیا گیا تھا اس کے بعد معلوم نہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا یا اس کے فرزند محمد بن کعب قرظی سعادت ایمان سے بہرہ مند ہوئے۔ عون بن عبد اللہ کہا کرتے تھے کہ میں نے محمد بن کعب سے بڑھکر کسی کو مفسر قرآن نہیں پایا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ محمد بن کعب علم اور فقہ میں اہل مدینہ کے فضلاء میں سے تھے۔ مسجد میں بیٹھے درس دے رہے تھے کہ مسجد کی چھت اُن پر آپڑی اور وہ اپنے شاگردوں سمیت جرعۂ شہادت پی کر عالم آخرت کو چلے گئے۔ یہ ۱۲۰ھ یا اس سے کسی سال بعد کا حادثہ ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۲۱۔ ۴۲۲)

پندرھویں روایت۔ عبد العزیز بن رفیع کا بیان ہے کہ حضرت اُبَی بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے (اخرجہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ واسنادہ قوی) عبد العزیز بن رُفیع اسدی مکی طائفی کوفہ میں سکونت فرماتے تھے انہوں نے حضرت انس، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عباس

رضی اللہ عنہم سے اور دوسرے حضرات سے روایت کی۔ امام احمد، یحییٰ بن معین، ابو حاتم، نسائی وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ بتایا ہے۔ عجلیؒ نے کہا کہ ثقہ تابعی تھے۔ یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ عبد العزیز بن رُفیع کی حدیث حجت ہے (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۳۷)

اہل حدیث۔ یہ روایت بھی منقطع السند ہے کیونکہ عبد العزیز بن رُفیع جو اس واقعۂ نماز تراویح اُبی بن کعب کے راوی ہیں انہوں نے اُبی بن کعبؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ ابی بن کعب ۳۲ھ میں یا اس سے پہلے وفات پا چکے تھے اور عبد العزیز بن رفیع ۵۰ھ کے بعد پیدا ہوئے۔ (رکعات تراویح ص ۱۵)

اہل سنت۔ چونکہ عبد العزیزؒ ثقہ راست گو ہیں اس لئے ان کے بیان کی صداقت پر شبہ کرنا حماقت ہے اگر انہوں نے حضرت اُبیؓ کو نہیں دیکھا تو اپنے دوسرے صحابی اساتذہ مثلاً حضرات انسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے سُنا ہوگا۔ چونکہ عبد العزیزؒ خود ثقہ ہیں اس لئے ان کی روایت ہمارے سر آنکھوں پر ہے اور ہمارے "اہل حدیث" دوستوں کے لئے یہ امر سخت قابل شرم بلکہ ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ وہ اہل حدیث کہلا کر تابعین عظامؒ کی مرسلات پر طعن کرتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ مآل نااندیشی ان کے چکڑالوی حریفوں کا ہاتھ مضبوط کر رہی ہے۔ کیونکہ اگر تابعین عظام رحمہم اللہ کو دروغ گو اور ناقابل اعتماد سمجھا جائے گا۔ تو سرے سے حدیث نبوی کی ساری عمارت ہی منہدم ہو جائیگی اور یہ نام نہاد "اہل حدیث" شاید یہ سن کر مایوس ہوں گے کہ ان کے پیر و مرشد شیخ ابن تیمیہؒ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ بیس رکعت پڑھایا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

قد ثبت ان اُبی بن کعبٍ کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث فرای

كثير من العلماء ان ذالك هو السنة لانه قام بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر۔ (فتاوی ابن تیمیہ جلد اول ص ۱۸۶) (یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اسی بنا پر اکثر علماء بیس رکعت کو سنت قرار دیتے ہیں کیونکہ حضرت اُبیؓ مہاجرین و انصار کے درمیان بیس رکعت کے ساتھ قیام فرماتے تھے اور ان میں سے کسی نے کبھی اس تعداد پر انکار نہ کیا

سولھویں روایت۔ یہ تو وہ بیانات تھے جو حضرت اُبیؓ کے فعل کے متعلق دوسروں نے دیئے اب حضرت اُبیؓ کا اپنا بیان ملاحظہ ہو۔

عن اُبی بن كعب ان عمر بن الخطاب امره ان يصلى بالليل فى رمضان فقال ان الناس يصومون النهار ولا يحسنون ان يقرأوا فلو قرأت عليهم بالليل فقال يا امير المومنين هذا شئ لم يكن فقال قد علمت ولكنه حسن فصلى بهم عشرين ركعة (کنز العمال جلد ۴ ص ۲۸۴ بحوالہ ابن منیعؒ) (اُبی بن کعبؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھے حکم دیا کہ میں رمضان کی راتوں میں لوگوں کو تراویح پڑھاؤں اور فرمایا کہ عامۃ الناس جو دن کو روزہ دار رہتے ہیں وہ رات کو اچھی طرح قرآن پڑھنے سے قاصر ہیں اس لئے کیا خوب ہو کہ تم رات کے وقت انہیں قرآن سنا دیا کرو میں نے کہا امیر المومنین! یہ کام (جماعت تراویح کا اہتمام) پہلے سے ہوتا نہیں آرہا ہے اس لئے میں ایسا کرنے سے معذور ہوں۔ حضرت خلافت مآبؓ نے فرمایا مجھے معلوم ہے لیکن یہ کام پسندیدہ ہے۔" پس اُبی لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھاتے رہے۔

سترھویں روایت۔ عن ابى عبد الرحمن السلمى عن على رضى الله عنه قال دعا القراء فى رمضان فامر منهم رجلا يصلى بالناس عشرين ركعة قال وكان رضى الله عنه يوتر بهم رواه البيهقى فى السنن الكبرى۔ (ابو عبد الرحمن سلمیؒ کا بیان ہے کہ امیر المومنین علیؓ

نے رمضان میں قاریوں کو بلا بھیجا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے اور حضرت علیؓ وتر خود پڑھایا کرتے تھے۔

اہل حدیث۔ اس کی سند میں دو راوی حماد بن شعیب اور عطاء بن سائب ضعیف ہیں (رکعات تراویح ص ۱۴)

اہل سنت۔ گو اس کے دو راوی مجروح ہیں لیکن خود امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ یہ دوسرے طریق سے بھی حضرت علیؓ سے مروی ہے (دیکھو سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶) مزید براں اس روایت کو امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے شاگرد شتیر بن شکل رحمہ اللہ کے فعل سے بھی تقویت ہوتی ہے۔ جو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ اور بیہقی نے اس روایت کی نسبت لکھا ہے۔ و فی ذالک قوۃٌ (یہ روایت قوی ہے) (دیکھو سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶) اس کے علاوہ امام ترمذی کا بیان بھی جو انشاء اللہ العزیز آئندہ فصل پر مشتمل ہوگا۔ اس روایت کا زبردست موید ہے۔ یاد رہے کہ وہ روایتیں جن میں بیس تراویح کے پڑھے جانے کا ذکر ہے۔ دو ایک کو مستثنےٰ کرنے کے بعد سب کی سب اسناداً صحیح ہیں اور جو ضعیف ہیں وہ بھی اس لحاظ سے صحیح کا حکم رکھتی ہیں کہ صحاح کی روایتیں ان کی مصدق ہیں۔ دیکھو اگر کوئی اطلاع پہلے کسی غیر معتبر ذریعہ سے حاصل ہوا اور پھر وہی اطلاع نہایت قابل وثوق ذرائع سے بھی موصول ہو جائے۔ تو اس وقت غیر معتبر راویوں کی خبر بھی صحیح مانی جاتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ بالفرض پہلے عام بازاری لوگ رویت ہلال کی شہادت دیں۔ اس وقت تک اس اطلاع پر عمل کرنے میں تامل ہوتا ہے لیکن اس کے بعد عادل گواہ گزر جائیں۔ تو ان بازاریوں کی خبر بھی خبر متواتر کا حکم رکھتی ہے۔

اٹھارھویں روایت۔ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے اس کو ابن ابی شیبہ عبداللہ بن حمید اور طبرانی نے اور بیہقی نے سنن میں اور ابوالقاسم بغوی نے معجم الصحابہ میں روایت کیا۔

اہل حدیث - اس حدیث کا ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف ہے۔
(انارۃ المصابیح ص ۲۲)

اہل سنت - بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف تو کہا ہے لیکن موضوع کسی نے نہیں کہا اور ضعف بھی ایسا ہے جو منافی یقین نہیں۔ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں۔

درمصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی بروایت ابن عباس رض وارد شدہ کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر اما بیہقی این روایت را تضعیف نمودہ بعلت آنکہ راوی این حدیث جد ابی بکر بن ابی شیبہ است کہ ابوشیبہ است حالانکہ جد ابی بکر بن شیبہ آں قدر ضعیف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود۔ آرے اگر معارض او حدیث صحیح می بود البتہ ساقط می شد (فتاوی عزیزیہ)

(مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے لیکن بیہقی نے اس روایت کو اس بنا پر ضعیف بتایا ہے کہ اس کا ایک راوی ابوشیبہ جو امام ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا تھا ضعیف ہے۔ حالانکہ ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا اس قدر ضعیف نہیں ہے کہ اس کی روایت مسترد کر دی جائے۔ ہاں اگر کوئی حدیث صحیح اس کی معارض ہوتی تو البتہ اس کی روایت ساقط ہو جاتی۔)

اس سے قطع نظر کوئی صحیح روایت حدیث ابن عباس رض کی معارض نہیں بعض مؤیدات اس کی صحت کا یقین دلاتے ہیں۔ اس لئے اس کا اسنادی ضعف کسی طرح منافی یقین نہیں ہے حدیث ابن عباس رض کا سب سے بڑا مؤید خلفائے راشدین کا عمل ہے کہ امت مابعد جن کے

نقشِ قدم پر چلنے کی مامور ہے۔ چنانچہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ
الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ (میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں کا التزام رکھنا) دوسرا موید
علی الاطلاق صحابۂ کرامؓ کا عمل ہے۔ چونکہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل سنتِ نبویؐ کا
عملی نمونہ تھا۔ اس لئے ان کا فعل خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فعل متصور ہے اور حدیث
مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ (ناجی فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ کاربند ہیں) میں حامل وحی صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے اصحاب کے طریق ہدایت کو مساوی حیثیت میں رکھا ہے۔ اسی بنا پر ابوداؤد
محدث رحمہ اللہ نے صواب وخطا کا ایک نہایت زرین اصول یہ بتایا ہے کہ اگر کبھی نبی صلی اللہ علیہ
وسلم سے منقول شدہ روایات میں اختلاف ہو تو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
وصال کے بعد آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کس روایت کو اپنا معمول بہا بنایا۔ ان
نفوسِ قدسیہ نے جو پہلو اختیار کیا ہوگا وہی حق وصدق اور قابل عمل سمجھا جائیگا" پس آخری خلفاء
ثلاثہ کے ازمنۂ مقدسہ میں صحابۂ کرام کا بیس رکعت پڑھنا اور اس پر اجماع' اہتمام اور مداومت کرنا
محدثین کے نزدیک ثابت ہے اس لئے گو ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ابراہیم بن عثمان راوی
کی وجہ سے ضعیف کہی جاتی ہے لیکن اس لحاظ سے کہ خلفائے راشدین کا عمل اور صحابۂ کرامؓ
کی مواظبت اس کی موید ہے۔ یہ حدیث نہ صرف قوی ہے۔ بلکہ تواتر معنوی کا حکم رکھتی ہے اور
یہ بھی ظاہر ہے کہ علمائے امت کے عمل سے بھی کسی ضعیف حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے۔
چنانچہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ مرقات باب علی الماموم میں بحوالہ نوویؒ رقم طراز ہیں فکان الترمذی
یرید تقویۃ الحدیث بعمل اهل العلم (ترمذیؒ نے اہل علم کے تعامل سے تقویت حدیث کا قصد کیا ہے)
اس طرح متعدد علماء نے تصریح کی ہے کہ صحتِ حدیث کی ایک دلیل اہل علم کا اس پر عمل پیرا ہونا ہے
گو اس کا اسناد قابل وثوق نہ ہو۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری پرچہ اہل حدیث مورخہ

۱۹ اپریل ۱۹۰۸ء میں لکھتے ہیں کہ بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں (ص ۱۰)
اور پھر علماء میں سے آئمہ مجتہدین کا استدلال کرنا بالخصوص کسی ضعیف حدیث کی تصحیح کر دیتا ہے۔
جب کسی مجتہد نے کسی حدیث سے کوئی مسئلہ مستنبط کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حدیث اس کے نزدیک
صحیح تھی۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں وکفانا الصحۃ الحدیث استدلال مجتہد بہ
(کسی حدیث سے مجتہد کا استدلال کرنا اس کی صحت کی کافی دلیل ہے المیزان الکبریٰ ص ۶۰) اور علامہ شامی لکھتے
ہیں ان المجتہد اذا استدل بحدیث کان تصحیحاً لہ کما فی التحریر وغیرہ (جب مجتہد کسی
حدیث سے استدلال کرے تو یہ استدلال اس حدیث کی تصحیح کرتا ہے۔ ردالمختار جلد ۴ صفحہ ۱۸)

اب دیکھو کہ امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد بلکہ امام مالک کا مسلک بھی حدیث ابن عباس کے
موافق ہے۔ اس لئے اس حدیث کا اسنادی ضعف دور ہو جاتا ہے۔ بدایۃ المجتہد جلد اول ص ۱۷۹
میں آئمہ مجتہدین کے مسلک کے متعلق لکھا ہے۔

واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بہا الناس فی رمضان فاختار مالک فی
احد قولیہ وابوحنیفۃ والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر وذکر ابن
القاسم عن مالک انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعۃ والوتر ثلاثا (کتاب التراویح ص ۳۶)
(تراویح کی مختار عدد میں اختلاف ہے ابوحنیفہ شافعی احمد داؤد ظاہری اور امام مالکؒ نے ایک روایت میں وتر
کے علاوہ بیس رکعت پسند کیں۔ ابن القاسم کا بیان ہے کہ امام مالک ۳۶ رکعت تراویح اور تین وتر کو مستحسن قرار دیتے تھے

ان امور سے قطع نظر ایک اور بدیہی اصول یہ ہے کہ اگر درایت کسی ضعیف حدیث کو تقویت
پہنچا رہی ہو تو وہ صحیح کی ہم پلہ ہو جاتی ہے چنانچہ یہ ارشاد ربانی اس اصول کا گواہ ہے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ
أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ (۴ : ۸۳) (اور جب ان کے پاس امن

یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اس کو خوب شہرت دیتے ہیں (حالانکہ اگر وہ خاموش رہکر اس خبر کے بارہ میں) پیغمبر یا اہل الرائے حضرات (اکابر صحابہ) کی طرف رجوع کرتے تو ان میں سے جو افراد حقیقت نفس الامر کو بھانپ لیتے ہیں وہ اس اطلاع کی اصلیت معلوم کر لیتے (اور شہرت دینے والوں کو جتلا دیتے کہ اس کا مشہور کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ تو غلط خبر کے مشتہر ہونے کی نوبت نہ آتی)

اگر وہ اطلاع جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے صحیح ہوتی تو اس کی اشاعت پر کچھ ملازمت نہ تھی اور اگر روایت ضعفِ روایت کی تلافی کر کے اس کو قابلِ وثوق نہیں بنا دیتی۔ تو آیت میں جملہ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ کے کچھ معنی نہیں بنتے۔ الغرض چونکہ درایت بھی حدیث ابن عباسؓ کی موید ہے۔ اس لئے یہ حدیث یقیناً قابلِ قبول ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ کوئی صحیح روایت اس کی معارض بھی نہیں اور صحابۂ کرام جمہور تابعین آئمۂ مجتہدین اور فقہاء کا اس پر عملدرآمد ہے۔

انیسویں روایت۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ رسالہ مصابیح میں لکھتے ہیں۔

ثم رایتُ فی تخریج احادیث الشیخ الکبیر شیخ الاسلام ابن حجرؒ ما نصہ قول الرافعیؒ انہٗ صلی اللہ علیہ وسلم صلّی بالناس عشرین رکعۃً لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیہم ثم قال من الغد خَشِیْتُ اَن تُفرض علیکم فلا تطیقوھا۔

(مصابیح مطبوعہ امرتسر ص ١٠)۔ (پھر میں نے تخریج احادیث شیخ کبیر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کو دیکھا تو اس میں انہوں نے امام رافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دو راتوں میں بیس بیس رکعتیں پڑھائیں جب تیسری رات ہوئی تو صحابہ پھر جمع ہوئے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم رنجہ نہ فرمایا پھر دوسرے دن فرمایا کہ مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ نماز بھی تم پر فرض نہ ہو جائے اور پھر اس کی طاقت نہ رکھو۔

امام جلیل ابو القاسم رافعیؒ مصنف شرح کبیر مسمٰی بہ عزیز حافظ عبد العظیم منذریؒ کے استاد

تھے ابن الصلاح کا قول ہے کہ میرے خیال میں بلادِ عجم کے اندر ایسی بلند پایہ شخصیت کوئی نہیں دیکھی گئی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ خیال بالکل صحیح ہے اور اس میں شک وشبہ کا کوئی شائبہ نہیں۔ امام نووی نے فرمایا ہے کہ رافعیؒ صالحین متمکنین امت میں سے تھے۔ ان کی کرامات کثیرہ ہیں۔ ابوعبداللہ محمد بن محمد اسفرائینی کا بیان ہے کہ رافعیؒ ہمارے شیخ دین کے ستون اور ناصر السنۃ ہیں وہ مجتہد زمانہ اور علوم دینیہ میں یگانہ تھے مغربین میں حدیث اور تفسیر کی مجلسیں قائم کر کے افادۂ خلق میں مصروف رہے (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد ۵ ص ۱۲۰)

ظاہر ہے کہ اتنے بڑے فاضل یگانہ و محدث زمانہ کے پاس بالضرور کوئی صحیح و مرفوع حدیث پہنچی ہوگی۔ ورنہ وہ اس یقین اور وثوق کے ساتھ نہ فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دو راتوں میں بیس بیس رکعتیں پڑھی تھیں۔ اور اگر ان کا بیان کسی کمزور اساس پر قائم ہوتا تو حافظ عسقلانیؒ جیسے نقادِ فن اس کو اس طمطراق سے پیش نہ فرماتے۔ افسوس ہے کہ امام رافعیؒ کی کتب حدیث خاکسار راقم الحروف کی دسترس سے باہر ہیں ورنہ ان میں سے کوئی نہ کوئی صحیح مرفوع حدیث سیالکوٹی صاحب کے سامنے پیش کر دی جاتی۔

فصل ۵

تابعین اور اتباعِ تابعینؒ کا بیس رکعت پر عمل پیرا ہونا

اب یہاں حضرات تابعین اور اتباع تابعین کا قول وفعل پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرامؓ کی طرح ان حضرات میں بھی کوئی بزرگ آٹھ تراویح کے قائل نہ تھے۔ بلکہ قریبًا سب بیس

رکعت پر عمل پیرا تھے۔ جو تابعین بیس تراویح اور تین وتر ہی کو صحیح قیام رمضان قرار دیتے تھے۔ ان میں سے بعض کے یہ نام ہیں۔ عطاء بن ابی رباحؒ ابوالبختریؒ شتیر بن شکل ابن ابی ملیکہؒ حارث ہمدانیؒ سعید بن ابی الحسن (امام حسن بصریؒ کے بھائی) عبدالرحمٰن بن ابی بکرؒ عمران عبدی رحمہم اللہ (عینی شرح صحیح بخاری و قیام اللیل مروزی مطبوعہ لاہور ص ۹۲) یونس کا بیان ہے کہ میں نے ابن اشعث کے فتنہ سے پہلے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؒ سعید بن ابی الحسن اور عمران عبدی کو رمضان المبارک میں جامع مسجد کے اندر پانچ ترویحے (بیس رکعت) پڑھتے دیکھا لیکن جب آخری عشرہ آتا تو یہ حضرات ایک ترویحہ (چار رکعت) کا اضافہ کر دیتے اور دو قرآن ختم کرتے (قیام اللیل مروزی صفحہ ۹۱) اب انفرادی حیثیت سے بیس تراویح کے متعلق بعض تابعین عظام کا مسلک ملاحظہ ہو۔

ابن ابی ملیکہؒ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ کے استاد امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ نے روایت کی ہے کہ نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ ابن ابی ملیکہؒ ہمیں رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے اور سند اس کی صحیح ہے۔ عبداللہ بن عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ملیکہؒ ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس اصحاب رضی اللہ عنہم کو دیکھا تھا۔ ثقہ عادل تھے۔ (تقریب التہذیب صفحہ ۲۰۶) اور نافعؒ جو اس اثر کے راوی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر صحابیؓ کے غلام تھے جنہیں بعد میں آزاد کر دیا گیا تھا انہوں نے حضرات عبداللہ بن عمرؓ ابوہریرہؓ ابوسعید خدریؓ رافع بن خدیجؓ ام المومنین صدیقہؓ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے اور ان سے زہریؒ اوزاعیؒ امام مالک وغیرہم نے روایت کی۔ ابن سعد نے کہا ثقہ کثیر الحدیث تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اسناد حدیث میں سے اصح الاسانید وہ ہے جو امام مالکؒ نے نافعؒ سے اور نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے

روایت کی ہو۔ امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں یہ سنتا ہوں کہ نافعؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں تو پھر میں اس حدیث کو کسی دوسرے راوی کی زبانی سننے سے مستغنی ہو جاتا ہوں۔ عجلی نے کہا نافعؒ ثقہ ہیں۔ ابن خراش نے کہا ثقہ نبیل ہیں۔ نسائی نے کہا ثقہ ہیں۔ ۱۱۷ھ اور ۱۲۰ھ میں سے کسی سال یا ان دونوں کے درمیان داعی حق کو لبیک کہا (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۴۱۴)

علی بن ربیعہؒ - ابن ابی شیبہؒ نے سعید بن عُبَیدؒ سے روایت کی کہ علی بن ربیعہ تابعیؒ ہیں رمضان مبارک میں پانچ ترویحے (بیس رکعت) اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔" سعید بن عُبَید بن زید بن عُقبہ راوی ثقہ ہیں۔ (دیکھو تقریب التہذیب صفحات ۱۲۵، ۲۴۱) اور علی بن ربیعہ بن فضلہ والبی مغیرہ کوفی تابعیؒ بھی ثقہ تھے۔ (تقریب التہذیب ص ۲۷۱)

شُتَیر بن شکل - اسی طرح عبداللہ بن قیس کا بیان ہے کہ شُتَیر بن شکل تابعیؒ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ) اور بیہقیؒ نے روایت کی کہ شُتَیر بن شکلؒ جو امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے شاگردوں میں سے تھے لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ بیہقیؒ نے کہا یہ روایت قوی ہے (السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶)

شُتَیر بن شکل بن حمید عبسی ابو عیسیٰ کوفی رحمۃ اللہ نے امیر المومنین علی، عبداللہ بن مسعود، ام المومنین حفصہ، ام المومنین ام حبیبہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کی۔ نسائی نے کہا ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے ان کو زمرۂ ثقات میں داخل کیا ہے۔ عجلی نے کہا ثقہ ہیں۔ ابو موسیٰ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا تھا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۱۲)

سُوَید بن غفلہؒ بیہقیؒ نے ابو الخصیبؒ سے روایت کی کہ حضرت سُوَید بن غفلہؒ ہم کو رمضان المبارک میں پانچ ترویحے (بیس رکعت تراویح) پڑھایا کرتے تھے (السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶) یہ روایت بھی صحیح الاسناد ہے۔ اس کے راوی ابوبکر بن ابی اسحاق، ابو عبداللہ محمد بن یعقوب، محمد بن عبدالوہاب، جعفر بن عون، ابو الخصیب زیادہ بن سعد بن عبدالرحمٰن خراسانی سب کے سب ثقہ ہیں۔ اور سوید بن غفلہ ابوامیہ جعفی کوفیؒ نے جاہلیت کا زمانہ پایا اور عین اس وقت جبکہ صحابہ کرامؓ حضور سید الاولین و آخرین علیہ افضل الصلوٰۃ وسلام کی تدفین سے فارغ ہوئے تھے مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت سُوَیدؒ فتح یرموک میں شامل تھے انہوں نے حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین، علی مرتضیٰ، ابن مسعود، بلال، ابی بن کعب، ابوذر غفاری، ابودرداء، سلیمان بن ربیعہ، حسن بن علی، زر بن حُبَیش رضی اللہ عنہم سے اور ان سے ابو اسحاق، ابراہیم نخعی، شعبی، عبدالعزیز بن رفیع رحمہم اللہ اور دوسرے حضرات نے روایت کی حسین جعفی کے والد علی کا بیان ہے کہ سویدؒ ہمیں ماہ رمضان میں کھڑے ہو کر قرآن سنایا کرتے تھے۔ حالانکہ ان ایام میں ان کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔ ۸۰ھ یا ۸۱ھ یا ۸۲ھ میں عمر کی ایک سو تیس منزلیں طے کر کے روضۂ رضوان کو تشریف فرما ہوئے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۷۹)

اتباع تابعین میں جن حضرات کا مذہب خاص طور پر بیس تراویح مذکور ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ[۱]، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ (ترمذی شریف صفحہ ۹۹۔۱۰۰، المغنی مصنفہ امام ابن قدامہ حنبلی مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۸۰۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیس رکعت کو ہی محبوب رکھتا

---

[۱] واضح رہے کہ آپ کا شمار تابعین میں ہے۔

ہوں اور مکہ معظمہ میں بیس رکعت ہی پڑھی جاتی ہیں (قیام اللیل مروزی مطبوعہ لاہور ص ۹۲)

فصل ۶

بیس رکعت کے متعلق دوسرے علمار امت کے اقوال

ہر چند کہ تابعین اور اتباع تابعین کے خیر القرون میں بعض اکابر بیس سے زائد رکعات بھی پڑھتے رہے ہیں یہاں تک کہ مدینۃ الرسول میں جو مہبط وحی اور انوار رسالت کا مطلع ہے ڈیڑھ دو سو سال تک برابر چھتیس رکعتیں معمول بہا بنی رہیں تاہم انجام کار بیس پر ہی ساری امت کا اتفاق ہو گیا اور حالت بدستور سابق عود کر آئی اور اصل یہ ہے کہ گو بعض بزرگ چار پر درمیانی وقفوں میں جن کو ترویحہ کہتے ہیں چار چار رکعتیں بلا جماعت ادا کر کے تعداد رکعت چھتیس تک پہنچا دیتے تھے لیکن جماعت بیس ہی رکعتوں کی ہوا کرتی تھی اور گو صراحت کے ساتھ نام بنام سب علمار حق کا مسلک کتابوں میں مذکور نہ ہو۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ خیر القرون کے بعد بھی تمام علمائے اہل سنت و جماعت بیس ہی کا حکم دیتے اور ترویحوں کے زائد نفلوں سے دستبردار ہو کر عموماً بیس پر ہی عمل پیرا رہے ذیل میں ان علمار و صلحار متاخرین کے اسمار گرامی درج کئے جاتے ہیں جن کی نسبت صراحۃً مذکور ہے کہ وہ بیس رکعت کے قائل تھے۔

امام ابن عبد البرؒ حافظ امام عبد البرؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تیئیس (بیس تراویح اور تین وتر) کی روایت معتبر ہے۔ اور امام مالکؒ کی روایت جس میں گیارہ رکعت (آٹھ تراویح اور تین وتر) مذکور ہیں وہم ہے۔ امام مالکؒ کے سوا دوسرے محدثین نے اکیس رکعتیں بتائی ہیں اور میں امام مالکؒ کے سوا کسی ایسے محدث کو نہیں جانتا جس نے گیارہ رکعت

کی حدیث کا ذکر کیا ہو (المصابیح مترجم مطبوعہ ثنائی برقی پریس امرتسر ص ۱۵)

حافظ مغرب شیخ الاسلام امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر قرطبی ۳۶۸ھ میں ہسپانیہ کے شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ حفظ اور اتقان میں اہل زمانہ کے استاد تھے۔ باجی کا قول ہے کہ اندلس (اسپین) کے اندر کوئی عالم علم حدیث میں ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں کہ کتاب تمہید ہمارے دوست ابوعمر (ابن عبدالبر) کی تصنیف ہے فقہ حدیث میں کوئی کتاب اس تصنیف کی ہمپایہ نہیں چہ جائیکہ اس سے بڑھکر ہو" علامہ ابن عبدالبر تمام علوم میں بیش بہا تالیفات رکھتے ہیں۔ ان کی ایک شہرۂ آفاق کتاب کافی جو امام مالک کے مذہب پر ہے پندرہ جلدوں میں ہے۔ کتاب "استیعاب" میں صحابہ کرام کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ یہ ایسی بلند پایہ تصنیف ہے کہ جس کی مثل کسی مصنف کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ ان کی بہت سی دوسری بلند پایہ تصنیفات بھی ہیں جن کے نام تذکرۃ الحفاظ" میں درج ہیں۔ حدیث، فقہ اور معانی میں بصیرت تام رکھنے کے علاوہ علم نسب و اخبار کے بھی بڑے ماہر تھے۔ ثقہ حجت اور صاحب سنت و اتباع تھے۔ پہلے ظاہری تھے پھر مالکی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ حمیدی کا بیان ہے کہ ابو عمر فقیہ، حافظ اور قرأت و خلاف اور علوم حدیث و رجال کے بڑے فاضل اور قدیم السماع بزرگ تھے۔ عمر کی ۹۵ منزلیں طے کر کے ۴۶۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔ بیہقی کے ہمعصر اور عمر میں ان سے سولہ سال بڑے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول صفحہ ۳۲۸)

امام محمد غزالی حکیم الامت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔

التراویح وهی عشرون رکعة وکیفیتها مشهورة وهی سنة مؤکدة (احیاء العلوم جلد اول ص ۱۳۶)

(تراویح بیس رکعت ہے اور اس کے پڑھنے کا طریقہ مشہور و معروف ہے، تراویح سنت مؤکدہ ہے)۔

قطب ربّانی سید عبدالقادر جیلانیؒ ۔ حضرت محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز رقم فرما ہیں ۔

صلاۃ التراویح سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی عشرون رکعۃ (غنیۃ الطالبین ص ۲۶۷ ، ۵۷۶)

(نماز تراویح جو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بیس رکعت ہے ۔

امام ابن قدامہ حنبلیؒ ۔ امام ابن قدامہ حنبلیؒ المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں ۔

والمختار عند ابی عبداللہ فیھا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری وابوحنیفہ والشافعی وقال مالک ستۃ وثلاثون وزعم انہ الامر القدیم وتعلق بفعل اھل المدینۃ ولنا ان عمر رضی اللہ عنہ لما جمع الناس علیٰ ابی بن کعب کان یصلی لھم عشرین رکعۃ (المغنی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۸۰۲) (امام احمدؒ کے نزدیک بیس رکعت مختار ہیں سفیان ثوری، ابوحنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور امام مالک چھتیس رکعت کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ ایک امر قدیم ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب کے اقتدا پر جمع کیا تو وہ بیس رکعت ہی پڑھایا کرتے تھے ۔

امام نوویؒ ۔ امام محی الدین نوویؒ شارح مسلمؒ فرماتے ہیں ۔

اعلم ان صلاۃ التراویح سنۃ باتفاق المسلمین وھی عشرون رکعۃ (کتاب الاذکار ص ۸۳)

(یاد رکھو کہ نماز تراویح سنت ہے تمام مسلمان اس مسئلہ میں باہم متفق ہیں اور یہ بیس رکعت ہے

شیخ ابن تیمیہؒ ۔ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ۔

قد ثبت ان ابی بن کعبؓ کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان ویوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذالک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر (فتاوی ابن تیمیہ جلد اول صفحہ ۱۸۶) (یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ لوگوں کو

رمضان میں تراویح کی بیس رکعت اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ اسی بنا پر اکثر علما بیں رکعت کو ہی سنت قرار دیتے ہیں کیونکہ اُبیٔ حضرات مہاجرین و انصار کی جماعت میں بیس رکعت کا قیام فرماتے تھے اور ان حضرات میں سے کسی نے کبھی ان پر انکار نہ کیا۔

علامہ سبکیؒ۔ علامہ سبکیؒ منہاج میں لکھتے ہیں کہ اس بات کا یقین کرلو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی کتنی رکعات پڑھائیں اور ہمارا مذہب بیس رکعت پڑھنے کا ہے (المصابیح مترجم مطبوعہ امرتسر ص ۱۴)

علامہ عینیؒ۔ علامہ بدرالدین عینیؒ شارح بخاریؒ بھی بیس رکعت کے قائل تھے چنانچہ انہوں نے شرح بخاری میں اس کے بڑے بڑے دلائل قلمبند کئے اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں۔

وقال ابن عبدالبرؒ وھو قول جمھور العلما وبہ قال الکوفیون والشافعی اکثر الفقھاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ (عینی شرح بخاری)

(حافظ ابن عبدالبرؒ نے فرمایا ہے کہ جمہور علما کا قول بیس رکعت کا ہے اور مجتہدین کوفہ (امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد اور سفیان ثوریؒ) اور شافعی اور اکثر فقہا کا یہی مسلک ہے اور حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہوا ہے اور کوئی صحابی اس مسلک کے خلاف نہیں گیا۔

علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی۔ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

ولعلھم فی وقت اجازوا تطویل القیام علی عدد الرکعات فجعلوھا عشرین و قد استقر العمل علی ھذا (المصابیح ص ۱۶)

(اور شاید صحابہ کرامؓ نے کسی وقت قیام کی طوالت کو مختصر کرکے اور رکعتیں پڑھا کر بیس کر دیں اور پھر بیس پر ہی عمل مستحکم و استوار ہو گیا۔

امام عبدالوھاب شعرانیؒ۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ رقمطراز ہیں۔

ومن ذالك قول ابی حنیفہ والشافعی واحمد رحمہم اللہ ان صلاۃ التراویح فی شہر رمضان عشرون رکعۃ وانہا فی الجماعۃ افضل (میزان شعرانی ص ۱۵۱)

(اور اسی قبیل سے امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے اقوال ہیں کہ نماز تراویح ماہ رمضان مبارک میں بیس رکعت ہے اور اس کا باجماعت ادا کرنا افضل ہے)

علامہ شامیؒ - علامہ ابن عابدین شامی الدر المختار کی شرح میں لکھتے ہیں -

التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین اجماعًا بعد صلاۃ العشاء وھی عشرون رکعۃ وھو قول الجمہور وعلیہ عمل الناس شرقًا وغربًا (رد المختار جلد اول ص ۵۱۱) (تراویح بالاجماع سنت مؤکدہ ہے کیونکہ اس پر خلفائے راشدین رض نے مواظبت فرمائی اس کا وقت نماز عشا کے بعد ہے اور اس کی رکعتیں بیس ہیں یہی جمہور علماء کا قول ہے اور اسی پر شرق و غرب کے مسلمانوں کا عمل ہے)

فصل ۷

علامہ ابن عبد البرؒ کا بیان کہ ۸ رکعت تراویح وہم ہے

اہل سنت - چھٹی فصل میں جو باتیں حوالۂ قرطاس ہوئیں ان سے یہ حقیقت عالم آشکارا ہو جاتی ہے کہ خلافت فاروقی و مرتضوی میں تراویح بیس ہی رکعت پڑھی جاتی تھی - فصل مذکور میں حضرت عطاء بن ابی رباح تابعیؒ کی یہ شہادت بھی قلمبند ہو چکی ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت ہی ادا فرماتے تھے اور عطاء بن ابی رباح وہ بزرگ ہیں - جنہوں نے دو سو صحابہ کو دیکھا تھا فصل چہارم میں یہ بھی دکھایا جا چکا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن

مسعود اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہما بیس ہی رکعتیں پڑھاتے تھے۔ ان میں سے موخر الذکر وہ بزرگ ہیں جنہیں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت میں مردوں کا امام متعین فرمایا تھا اور جن کی طرف امام مالک رحمہ اللہ کی غلط فہمی کے صدقہ سے آٹھ رکعتیں منسوب کی جاتی ہیں صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین لاکھوں کی تعداد میں گزرے ہیں۔ ان نفوس قدسیہ میں سے ایک بزرگ ہستی بھی ایسی نہ مل سکے گی جس نے کبھی آٹھ رکعت تراویح ادا کی ہو۔ ان لاکھوں نظائر کے مقابلہ میں صرف دو شہادتیں آٹھ تراویح کا کچھ لنگڑا لولا سا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں پہلی امام مالک کی روایت۔ دوسری عبدالعزیز بن محمد کا بیان۔ ان میں سے عبدالعزیز بن محمد کی روایت جو سنن سعید بن منصور میں منقول ہے ضعیف ہے اور امام مالک کی روایت کے متعلق علامہ ابن عبدالبر مالکی محدث رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ امام مالک کا وہم یعنی غلط فہمی ہے کہ انہوں نے اکیس کو گیارہ سمجھ لیا چنانچہ علامہ زرقانی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں۔

وقال ابن عبد البر روی غیر مالك فی هذا الحدیث احد و عشرون و هو الصحیح ولا اعلم احداً قال فیه احدی عشرة الا مالكاً و یحتمل ان یكون ذالك اولاً ثم خفف عنهم طول القیام و نقلهم الی احدی و عشرین الا ان الاغلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم (زرقانی جلد اول ص ۲۱۵)

(ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ امام مالک کے سوا دوسروں نے تراویح کی حدیث اکیس رکعت (بیس تراویح اور ایک وتر) روایت کی ہے اور یہی صحیح ہے اور مجھے امام مالک کے سوا کسی دوسرے محدث کا علم نہیں جس نے گیارہ رکعتیں (آٹھ تراویح اور تین وتر) روایت کی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے آٹھ تراویح ہی پڑھی گئی ہوں۔ پھر طول قیام میں تخفیف کی گئی ہو اور رکعتیں بڑھا کر اکیس کر دی گئی ہوں لیکن میرے نزدیک گمان غالب یہ ہے کہ گیارہ رکعت کا قول وہم ہے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے دو احتمال پیش کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ اوائل میں آٹھ رکعتیں پڑھی گئی ہوں اور پیچھے بیس کر دی گئی ہوں۔ دوسرا یہ کہ امام مالکؒ نے رکعات کی تعداد سمجھنے میں غلطی کی ہو لیکن ان میں سے پہلا احتمال قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ میں چوتھی فصل میں دلائل قاطع ثابت کر آیا ہوں کہ بیس کی تعداد تخفیف قرأت کا نتیجہ اور تطویل قرأت کا بدل نہیں ہے کیونکہ بیس رکعت میں بھی وہی طویل قرأت ہوتی تھی جو امام مالکؒ نے گیارہ رکعت (آٹھ تراویح اور تین وتر) کی روایت میں بیان فرمائی ہے۔ غرض جب پہلا احتمال باطل ہو گیا تو دوسری شق ثابت ہو گئی۔ کہ امام مالک رحمہ اللہ ہی کو غلط فہمی ہوئی۔

یہاں اس حقیقت کو کبھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ ابن عبدالبرؒ خدانخواستہ کوئی امام مالکؒ کے معاند نہیں تھے کہ خواہ مخواہ ان پر طعن کرتے۔ بلکہ مالکی المذہب ہونے کی حیثیت سے ان کے دل میں امام مالک کی محبت اور عقیدت مندی کا وہی جذبہ کارفرما تھا جو ہم حنفیوں کے دلوں میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ممدوح پورے تفحص اور استقصاء اور انتہائی غور و خوض کے بعد ہی ایسی بات زبانِ قلم پر لائے ہونگے پس ان کی مخلصانہ رائے کسی طرح پس پشت ڈالنے کے قابل نہیں ہے اور جہاں تک خاکسار راقم التحریر کے مرکب تحقیق کی تگ و دو ممکن تھی اس نے وہاں تک رسائی حاصل کی آخر انتہائی تفتیش و تدقیق کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام مالکؒ کی قوت سامعہ نے سمجھنے میں خطا کی ہے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے تو اپنے رجحانِ طبع اور گمانِ غالب کا اظہار فرمایا تھا لیکن میرے نزدیک اس کو قطعیت اور حق الیقین کا درجہ حاصل ہے۔

اس اذعان و یقین اور قطعیت کے چند وجوہ ہیں۔ وجہ اول یہ ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے جس استاد محمد بن یوسف رحمہ اللہ سے سُن کر گیارہ رکعتیں مؤطا میں مندرج فرمائیں

امام مالک کے ہم سبق امام داؤد بن قیسؒ نے انہی محمد بن یوسفؒ سے سن کر بیس رکعتیں روایت کیں (ملاحظہ ہو چوتھی فصل کی چھٹی روایت) دوسری وجہ یہ ہے کہ خود امام مالکؒ نے اپنے دوسرے استاد یزید بن خصیفہؒ سے بیس رکعت کی بھی روایت کی ہے (ملاحظہ ہو چوتھی فصل کی پہلی روایت) تیسری وجہ یہ ہے کہ خود امام مالکؒ نے اپنے تیسرے استاد یزید بن رومانؒ سے بھی بیس رکعت روایت کی ہے (ملاحظہ ہو چوتھی فصل کی دسویں روایت)

چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام مالک کے چوتھے استاد یحییٰ بن سعیدؒ سے بھی بیس رکعتیں ہی مروی ہیں (دیکھو چوتھی فصل کی ساتویں روایت) پانچویں وجہ یہ ہے کہ روایات مذکورہ سے قطع نظر جن کا سلسلہ اسناد حضرت سائب بن یزید صحابیؓ پر منتہی ہوتا ہے حضرت سائب بن یزیدؓ اپنے ارشد تلامذہ محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ رحمہما اللہ کے علاوہ اپنے دوسرے شاگردوں سے بھی بیس رکعت ہی روایت فرماتے تھے (ملاحظہ ہو چوتھی فصل کی پانچویں روایت) چھٹی وجہ یہ ہے کہ گو بعض علماء نے آٹھ اور بیس کی روایات میں یوں تطبیق دینے کی کوشش کی کہ ابتداء میں آٹھ رکعتیں پڑھی گئیں اور پیچھے بیس کر دی گئیں۔ لیکن حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اپنے بیان سے (جو چوتھی فصل کی پندرھویں روایت پر مشتمل ہے) یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ نے آغاز کار ہی میں امیر المومنین عمرؓ کے فرمان کے بموجب بیس رکعت پڑھانی شروع کی تھی۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام، تابعین عظام اور حضرات اتباع تابعین اور تمام دوسرے علماء امت سلفاً و خلفاً ہمیشہ بیس رکعت بلکہ بعض اس سے بھی زیادہ پڑھتے رہے ہیں۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ خود امام مالکؒ نے آٹھ کے بجائے ہمیشہ چھتیس رکعتیں پڑھیں اور لوگوں کو چھتیس کا حکم دیتے رہے (دیکھو چوتھی فصل کی دسویں روایت کے ذیل میں اہل سنت کا چھٹا بیان) اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے اس بات پر زوردار استدلال کیا ہے کہ

اگر راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کی روایت قابل عمل نہ ہو گی (دیکھو انارۃ المصابیح ص ۲۹)

الغرض مذکورہ وجوہ و اسباب ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ امام مالک کو غلط فہمی ہوئی انہوں نے اپنے ایک استاذ محمد بن یوسفؒ سے روایت سنتے وقت اِحدی وَعشرین (اکیس) کو اِحدیٰ عشر (گیارہ) سمجھ لیا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ محمد بن یوسف رحمہ اللہ اپنے ایک شاگرد داؤد بن قیسؒ سے تو اکیس رکعت روایت کرتے اور اپنے دوسرے شاگرد امام مالکؒ سے گیارہ رکعتیں بیان فرماتے اور خود امام مالکؒ اپنے ایک استاد سے گیارہ اور دوسرے سے اکیس رکعتیں روایت کرنے لگتے۔

اہل حدیث۔ واہ غلط فہمی کی بھی ایک ہی کہی۔ کیا امام مالکؒ جیسے حبر نحریر سے بھی اس قسم کی خوفناک غلطی کا امکان ہے؟

اہل سنت۔ ہاں ان سے بھی بڑے بڑے اکابر غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں چنانچہ اسی معنی میں ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعض صحابہ سے فرمایا کہ تم تو سچے لوگوں سے روایت کرتے ہو لیکن بعض مرتبہ سامعہ غلطی کر جاتا ہے۔ مزید براں دیکھو مولوی شریف کا رسالہ کتاب التراویح ص ۵۲ سطر ۴۔

علامہ علی قاریؒ نے اپنی موضوعات میں حدیثوں کے ناقابل وثوق ہونے کے جو اصول بتائے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ جو روایت صریح حدیثوں کے خلاف ہو وہ قابل اعتماد نہیں ہوتی (موضوعات علی قاری ص ۹۲) چونکہ کتب حدیث عام طور پر بیس کی صریح حدیثوں سے مملو اور آٹھ کی روایت سے خالی ہیں اور بسیط ارض پر صرف امام مالکؒ ہی کی ایک ایسی ہستی ہے جس نے دنیا میں سب سے پہلے آٹھ رکعت تراویح کا تذکرہ چھیڑا۔ اس سے بھی قیاس ہوتا ہے کہ امام محمدؒ غلطی سے اکیس کو گیارہ سمجھ گئے۔

روایتی غلط فہمی کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض فقہا کے نزدیک اس چیز کے کھانے سے

وضو ٹوٹ جاتا ہے جو آگ پر پکی ہو جب حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ مسئلہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے حضور سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا تو انہوں نے کہا کہ اس بنا پر تو لازم آتا ہے کہ ہمیں گرم پانی سے بھی وضو نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ برادر زادے جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنو تو ضرب الامثال اور کہاوتیں نہ کہا کرو۔ (سنن ابن ماجہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۳۷-۳۸) ظاہر ہے کہ ابن عباسؓ جناب ابوہریرہؓ کو خدانخواستہ غلط گو نہیں سمجھتے تھے لیکن انہوں نے خیال کیا کہ ان سے روایت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہے۔

اہل حدیث: غضب ہے کہ مؤطا امام مالکؒ کی متصل السند روایت کو شاذ بنا کر ضعیف کر دیا جائے۔ حالانکہ یزید بن رومانؒ کی غیر متصل السند روایت کو سہارا دینے کے لئے سارا زور اس بات پر لگا دیا ہے کہ مؤطا امام مالکؒ کی سب روایتیں ثابت و صحیح ہیں۔ تو کیا ان سب کے مجموعہ میں یہ گیارہ رکعت والی روایت موجود نہیں ہے؟ سچ ہے چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد۔ اگر یہ گیارہ رکعت والی روایت ضعیف ہے تو آپ کا کلیہ ٹوٹ گیا کہ مؤطا کی سب روایتیں صحیح ہیں کیونکہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوتی ہے (ایسا غوجی) اور اگر کلیہ درست ہے تو امام مالکؒ کی گیارہ رکعت والی متصل السند روایت بھی صحیح ہے۔ (انارۃ المصابیح ص ۴۱)

اہل سنت: مؤطا کی تمام روایتیں اسناداً اور روایۃً صحیح ہیں لیکن اگر کوئی روایت درایت کے اعتبار سے غیر صحیح ہو تو وہ اس دعوے کے خلاف نہیں کیونکہ بعض دفعہ ثقہ راویوں سے بھی سمجھنے میں خطا ہو جاتی ہے اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کے لئے نہ نفقہ ہے نہ سکنیٰ لیکن جمہور علماء عموماً اور حنفیہ

کرام خصوصاً فرماتے ہیں کہ تین یا کم جتنی بھی طلاقیں دی جائیں۔ شوہر پر واجب ہے کہ عدت کے زمانہ تک مطلقہ کے کھانے کپڑے اور جائے اقامت کا کفیل رہے۔ فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں۔ ان کے شوہر ابو عمرو بن حفصؓ نے ان کو تین طلاقیں دیدیں طلاق کے وقت خود ابو عمروؓ مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ ابو عمروؓ کے وکیل نے فاطمہؓ کے پاس کچھ جو بھیجے فاطمہؓ پر یہ نفقہ شاق گذرا۔ ابو عمرو کے وکیل کو اس ناگواری کا علم ہوا تو کہلا بھیجا کہ واللہ ہم پر تمہارا کوئی حق نہیں" یہ سن کر فاطمہؓ آستان نبوت میں حاضر ہوئیں اور سارا ماجرا بارگاہ نبوی میں پیش کیا۔ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واقعی تمہارے لئے کوئی نفقہ وسکنیٰ نہیں۔ تم ابن ام مکتومؓ کے گھر میں عدت گزار لو۔ کیونکہ وہ ایک نابینا آدمی ہیں۔ (صحیح مسلم)

اس روایت کی صحت میں کسی کو کلام نہیں لیکن اس کے باوجود عہد فاروقی میں ایک عورت کو تین طلاقیں دی گئیں تو یہ مسئلہ پیش ہوا کہ مطلقہ ثلاثہ کا نان نفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟ جناب فاطمہؓ بنت قیس نے شہادت دی۔ کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ اور مکان نہیں دلوایا تھا" آخر حضرت فاروق اعظمؓ نے فیصلہ کیا کہ ہم خدا کی کتاب اور آنحضرتؐ کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر نہیں چھوڑ سکتے۔ جس کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ امام شعبیؒ نے ایک مجلس میں فاطمہؓ کی متذکرہ صدر روایت بیان کی تو اسود بن یزیدؒ نے ان کو کنکریاں ماریں کہ تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کا مذکورہ واقعہ نقل کیا (صحیح مسلم کتاب الطلاق) حضرت عمرؓ کی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی فاطمہؓ کا قول مسترد کر دیا تھا۔

ما لفاطمۃ الا تتقی اللہ تعنی فی قولہا لا سکنیٰ ولا نفقۃ (بخاری)

(فاطمہؓ کو کیا ہو گیا؟ کیا وہ اس قول میں خدا سے نہیں ڈرتیں کہ مطلقہ کے لئے سکنیٰ اور نفقہ نہیں ہے؟)

حضرت صدیقہؓ کا بیان ہے کہ جس مکان میں فاطمہ بنت قیسؓ کو عدت گزارنی تھی وہ ویران اور غیر آباد تھا اس لئے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نقل مکان کی اجازت دے دی تھی۔ (بخاری)

ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ یا اُمّ المؤمنین صدیقہؓ نے فاطمہ بنت قیسؓ کو معاذ اللہ دروغ گو نہیں سمجھا بلکہ ان کے بیان کو غلط فہمی پر محمول کیا پس جس طرح ہم صحیح مسلم کی روایت کو صحیح باور کرتے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کو غلط فہمی ہوئی۔ اسی طرح ہمیں یقین ہے کہ گیارہ رکعت کی روایت جو مؤطا میں ہے اسناداً بالکل صحیح ہے لیکن ہمارے "اہل حدیث" حضرات کی بدقسمتی سے امام مالکؒ اکیس کو گیارہ سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔

اہل حدیث۔ امام مالکؒ اس روایت میں منفرد نہیں ہیں بلکہ سعید بن منصور محدثؒ نے بھی اپنی سُنن میں عبدالعزیز بن محمد سے انہوں نے محمد بن یوسف سے جو امام مالکؒ کے استاد ہیں امام مالکؒ کی مثل گیارہ رکعت روایت کی ہیں۔ جیسا کہ امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ المصابیح میں حافظ ابن عبدالبرؒ کے جواب میں کہا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن عبدالبرؒ اس حدیث کے متعلق مُصنّف سعید بن منصور پر مطلع نہیں ہوئے تھے جنہوں نے اس روایت کو مثل امام مالکؒ کے روایت کیا ہے یعنی سعید بن منصور نے عبدالعزیز بن محمد سے روایت کیا وہ محمد بن یوسف سے روایت کرتے ہیں جو امام مالکؒ کے استاد ہیں اور علامہ زرقانی نے بھی شرح مؤطا میں اسے ذکر کیا ہے لیکن آپ نے اس کے نقل کرنے میں خیانت کی ہے۔

(انارۃ المصابیح ص ۳۴۔۳۵)

ؔ مولوی محمد یوسف صاحب کوٹلوی تے

اہل سنت ۔ زرقانی کے الفاظ یہ ہیں ۔

ولا وهم مع ان الجمع بالاحتمال الذی ذکره قریب وبه جمع البیهقی ایضاً وقوله ان مالکاً انفرد به لیس کما قال فقد رواه سعید بن منصور من وجه آخر عن محمد بن یوسف فقال احدی عشرة کما قال مالک ۔ (زرقانی جلد اول ص ۲۱۵)

(امام مالکؒ کے بیان میں کوئی وہم (غلط فہمی) نہیں ۔ اور گو کہ دونوں روایتوں میں اس احتمال پر جس کا خود ابن عبدالبرؒ نے ذکر کیا تطبیق آسان ہے ۔ چنانچہ بیہقیؒ نے بھی ان میں اسی طرح مطابقت کی ہے ۔ سعید بن منصور نے بھی دوسرے طریق سے امام مالکؒ کی طرح گیارہ رکعتیں محمد بن یوسف سے روایت کی ہیں ۔

اہل حدیث ۔ امام سیوطیؒ اور علامہ زرقانی کی تحریروں سے ثابت ہوا کہ امام مالکؒ کو کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی اور اگر ان کو غلط فہمی ہو گئی تھی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ایک اور راوی عبدالعزیز بن محمد بھی آٹھ رکعت کی روایت میں امام مالکؒ کا ہمنوا ہوتا ۔

اہل سنت ۔ لیکن مولانا صاحب یا لکوٹی کو معلوم ہو کہ سعید بن منصور کی روایت صحیح نہیں ۔ کیونکہ اس کا راوی عبدالعزیز بن محمد ضعیف تھا ۔ عبدالعزیز بن محمد بن عُبَید ابو محمد مدنی کی نسبت ابو زرعہ نے لکھا ہے کہ ان کا حافظہ خراب تھا جب کبھی اپنے حافظہ کے بھروسہ پر زبانی روایت کرتے تو عموماً خطا کرتے ۔ نسائی نے ان کی نسبت ایک جگہ لکھا کہ قوی نہیں اور دوسری جگہ فرمایا کہ لیس به بأس (یعنی کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں) اور حسب بیان نسائیؒ عبدالعزیز بن محمد نے عبیداللہ بن عمر سے جو حدیثیں روایت کیں وہ سب منکر ہیں ۔ ابن سعد کا قول ہے کہ عبدالعزیز بن محمد یوں تو ثقہ کثیر الحدیث تھے ۔ لیکن روایت میں بڑی غلطیاں کرتے تھے ۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ ثقہ ہیں لیکن ساتھ ہی بڑے غلط کار بھی ہیں ۔ ساجی نے کہا کہ صادق امین لیکن کثیر الوہم ہیں ۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عبدالعزیز نے جو کچھ اپنی کتاب میں

سے روایت کی وہ تو صحیح ہے لیکن جو دوسروں کی کتابوں سے روایت کی وہ وہم ہے عبدالعزیز دوسرے محدثوں کی کتابوں سے حدیثیں نقل کرنے میں غلطیاں کرتے تھے۔ بسا اوقات عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کی حدیث کو عبیداللہ بن عمرو کی طرف سے روایت کر دیتے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں عبدالعزیز پر حاتم بن اسمٰعیل کو ترجیح دیتا ہوں۔ یحییٰ بن معین نے عبدالعزیز کی نسبت لکھا ہے لیس بہ باس (یعنی کچھ ایسے قوی نہیں) مری کا بیان ہے کہ امام بخاریؒ نے تنہا عبدالعزیز کی روایت نہیں لی جب تک کہ اسے مقرون لغیرہ نہیں کر لیا (یعنی دوسرے ثقہ راوی کی روایت لا کر اس کو تقویت نہیں پہنچا لی) عبدالعزیز کے سال وفات میں اختلاف ہے ۱۸۶ھ سے ۱۸۹ھ تک مختلف اقوال ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۴۵)

غرض عبدالعزیز کی روایت کسی طرح قابل اعتماد نہیں کیونکہ وہ اوہام کا سرچشمہ اور غلط کاریوں کا منبع تھے اور یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ جب امام بخاریؒ نے عبدالعزیز کی روایت کو اس وقت تک قابلِ اعتنا نہیں سمجھا جب تک کسی ثقہ راوی کی روایت سے استشہاد نہیں کر لیا تو عبدالعزیز کا بیان امام مالکؒ کی روایت کو کہاں تک تقویت پہنچا سکتا ہے؟ مزید برآں آپ نے اوپر پڑھا کہ عبدالعزیز کثیر الوہم تھے اور مولانا سیالکوٹی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ وہمی کی روایت مقبول نہیں۔ چنانچہ مولوی محمد یوسف صاحب متوطن کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کی تحریر کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "کوئی راوی اکیس روایت کرتا ہے کوئی تیئیس اور ایک ان میں سے وہمی ضعیف ہے اس لئے ان کی روایتیں شاذ اور ضعیف یا ناقابل اعتبار ہوں گی" (انارة المصابیح ص ۱۳۹) پس اس اعتبار سے بھی عبدالعزیز کا بیان ناقابل قبول ہے۔

اہل حدیث۔ کیا امام مالکؒ اور عبدالعزیز بن محمد دونوں یکساں غلط فہمی کا شکار ہو گئے

اہل سنت۔ امام مالکؒ اور عبدالعزیز ہمعصر تھے اور دونوں کا مسکن مدینہ منورہ تھا۔

دونوں نے محمد بن یوسف رحمۃ اللہ سے استفادہ کیا پس ممکن ہے کہ عبدالعزیزؒ نے کبھی امام مالکؒ سے گیارہ رکعت کی روایت سُنی یا ان کے مؤطا میں دیکھی ہو اور چونکہ ان کا حافظہ سخت خراب تھا اس لئے پیچھے یہ یاد نہ رہا ہو کہ میں نے یہ روایت امام مالک سے سنی تھی یا اپنے استاد محمد بن یوسف سے۔ اور جب سعید بن منصور محدث نے ان سے حدیثیں لکھیں تو عبدالعزیزؒ نے یہ روایت بھی اسی طرح اپنی سند سے بیان کردی ہو جس طرح دوسری حدیثیں اپنے استاد محمد بن یوسفؒ سے روایت کیں اور اس التباس کی خاص وجہ یہ تھی کہ امام مالکؒ نے بھی اس کو اپنے اور عبدالعزیز دونوں کے اُستاد محمد یوسف ہی سے روایت کیا تھا۔

اہل حدیث۔ محمد بن اسحاق نے بھی محمد بن یوسف سے اور انہوں نے سائب بن یزید صحابیؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ گیارہ رکعت پڑھاتے تھے اس کو محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں روایت کیا ہے۔

اہل سنت۔ گو بہت سے بزرگوں نے محمد بن اسحاق بن یسار راوی کو ثقہ بتایا ہے لیکن اکثر محققین کے نزدیک وہ شخص قابل اعتماد نہیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ مغازی میں علم کا دریا تھا لیکن فن حدیث میں متقن یعنی محکم و استوار نہیں تھا۔ اس کی حدیثیں رتبۂ صحت سے گری ہوئی ہیں۔ نسائی نے کہا قوی نہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول ص ۱۵۶) ابن ندیم کا بیان ہے کہ ابوعبداللہ محمد بن اسحٰق بن یسار مطعون تھا اور اس کی روش ناپسندیدہ تھی اور وہ ایک حسین و جمیل آدمی تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ امیر مدینہ کو اطلاع ملی کہ ابن اسحٰق عورتوں سے عشق بازی کرتا اور حسن و عشق میں منہمک ہے۔ حاکم نے اس کو بلوا کر کوڑے لگوائے اور مسجد نبوی کے پچھواڑے بیٹھنے سے منع کردیا۔ اس کی ایک بے احتیاطی یہ تھی کہ جو کچھ یہود و نصاریٰ سے سنتا اسے اپنی کتاب میں درج کرلیتا اور اپنی کتابوں میں اول اہل علم کے لقب سے یاد کرتا۔ اصحاب حدیث اس کی

تضعیف کرتے اور اس کو دروغ گو خیال کرتے تھے۔ (کتاب الفہرست ابن ندیم ص ۹۲ مطبوعہ لیپزگ جرمنی)

شیخ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضؓ زہری، ابن منکدر، مکحول، عطا بن ابی رباح، یزید بن رومان وغیرہ حضرات سے روایت کی۔ امام مالکؒ نے اس کی نسبت فرمایا کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ محمد بن اسحٰق کی ہزار ایسی حدیثیں ہیں جن میں وہ بالکل منفرد ہے۔ محمد بن اسحٰق مدینہ منورہ کی ایک خاتون فاطمہ بنت منذر سے بھی حدیثیں روایت کرتا تھا۔ لیکن فاطمہ کے شوہر ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ واللہ اس شخص نے میری بیوی کو کبھی نہیں دیکھا۔ یعقوب بن اسحٰق بن سامری کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ اگر ابن اسحٰق کسی حدیث میں منفرد ہو تو آپ اس کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ تو امام نے فرمایا کہ ہرگز نہیں واللہ! وہ تو ایک ہی حدیث کسی جماعت کی طرف سے روایت کرتا ہے۔ تو بھی راویوں کے کلام کو ایک دوسرے سے ممیز نہیں کرتا۔ ابو داؤدؒ محدث کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابن اسحٰق حدیثیں جمع کرنے کا شائق تھا اس لئے وہ ادھر ادھر سے لوگوں کی کتابیں لے کر اپنی کتاب میں نقل کر لیتا۔ امام احمدؒ کا بیان ہے۔ کہ جب ابن اسحٰق بغداد آیا تو اس بات کی پروا کئے بغیر کہ کس قماش کے آدمی سے حدیثیں جمع کر رہا ہے۔ وہ کلبی وغیرہ سے بھی روایتیں لے لیتا۔ جنبل بن اسحٰق کا بیان ہے کہ ابو عبداللہ (امام احمدؒ) فرماتے تھے کہ ابن اسحٰق حجت نہیں ہے۔ مرہ نے کہا وہ قوی نہیں ہے۔

ابن یونس کہتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق سنہ ۱۱۹ھ میں اسکندریہ آیا۔ وہ اہل مصر کی ایک جماعت کی طرف سے ایسی حدیثیں روایت کرتا تھا جو اس کے سوا کسی دوسرے شخص سے مروی نہیں۔ اسی طرح سلیمان تیمی، امام یحییٰ بن سعید قطان اور وہیب بن خالد نے اس کو جھوٹا بتایا ہے۔ دارقطنی فرماتے تھے

کہ آئمہ حدیث محمد بن اسحٰق کے بارے میں بڑے مختلف البیان ہیں۔ کوئی اس کو ثقہ بتاتا ہے اور کوئی غیر ثقہ لیکن وہ حجت نہیں ہے۔ ابن اسحٰق مدینہ منورہ میں رہتا تھا لیکن اس کے بعد کوفہ، جزیرہ اور رے سے ہوتا ہوا بغداد پہنچا اور یہیں بود و باش اختیار کر لی۔ آخر اسی جگہ ۱۵۰ھ سے ۱۵۳ھ تک کسی سال مر گیا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۳-۴۶)

اب ظاہر ہے کہ جس شخص کے خلاف ایسی ایسی شہادتیں اور ایسے سنگین الزامات ہوں اگر وہ حقیقت میں معتبر اور سچا بھی ہو اور دو چار دس بلکہ سو دو سو آدمی بھی اس کی طرف سے صفائیاں پیش کریں تو بھی اس پر کہاں تک اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

اہل حدیث۔ لیکن آپ کی طرح حنفی مذہب کی بے جا حمایت پر ادھار کھائے ہوئے شوق نیموی بھی ایک اور متابعت کا ذکر کرتے ہیں اور وہ متابعت کوئی چھوٹا آدمی نہیں کرتا بلکہ یحییٰ بن سعید کرتے ہیں جو جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ (انارۃ المصابیح ص ۳۵)

اہل سنت۔ معلوم نہیں شوق نیموی صاحب جو حنفی مذہب کی بیجا حمایت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں، کون بزرگ ہیں اور ان کی علمی حیثیت کیا ہے لیکن سیالکوٹی صاحب کو یاد رہے کہ ہم شخصیت پرست نہیں ہیں۔ ما را نص باید قص نباید۔ اگر سیالکوٹی صاحب کے پاس کوئی صحیح روایت ہوتی تو لے کر پیش کرتے۔ لیکن چونکہ ان کا کیسہ دلائل خالی ہو چکا تھا اس لئے وہ نیموی صاحب کی آڑ لینے لگے۔ اب بھی ہم سیالکوٹی صاحب سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی صحیح روایت موجود ہے تو شوق سے پیش کریں ورنہ خس و خاشاک کا کمزور سہارا انہیں کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا اور ان سب چیزوں کے علاوہ ایک خاص قابل توجہ امر یہ ہے کہ امام مالکؒ اور عبدالعزیز بن محمد کی روایتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے امام مالکؒ نے اپنے استاد محمد بن یوسف سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ حضرت سائب بن یزید

صحابیؓ فرماتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا (موطا امام مالکؒ) اور عبدالعزیز بن محمد نے اپنے استاد محمد بن یوسف سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ حضرت سائب بن یزید صحابی فرماتے تھے کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ (مصابیح مطبوعہ امرتسر صفحہ ۱۲)

امام ابن عبدالبرؒ نے لکھا تھا کہ میرے نزدیک گیارہ رکعت کی روایت میں امام مالکؒ کو وہم یعنی غلط فہمی ہوئی ہے اور میں نہیں جانتا کہ امام مالکؒ کے سوا کسی اور نے بھی گیارہ رکعت کا ذکر کیا ہو لیکن سیوطی نے امام ابن عبدالبرؒ کے اس قول کی مخالفت کی اور لکھا۔

وکانہ لم یقف علی مصنف سعید بن منصور فی ذالک فانہ رواہا مثل مالک عن عبدالعزیز بن محمد عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید (گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں مصنف سعید بن منصور پر مطلع ہی نہیں ہوئے کیونکہ انہوں نے اس کی روایت مالکؒ کی ہی طرح عبدالعزیز بن محمد عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید کی ہے)

اور زرقانی نے لکھا وقولہ ان مالکاً انفرد بہ لیس کما قال فقد رواہ سعید بن منصور من وجہ اخر عن محمد بن یوسف فقال احدی عشرۃ کما قال مالک (زرقانی شرح موطا جلد اول ص ۲۱۵)

لیکن میں کہتا ہوں کہ واقعی امام مالکؒ اس روایت میں بالکل منفرد ہیں کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا کیونکہ عبدالعزیز بن محمد کا بیان یہ ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور ان دونوں بیانوں میں بڑا فرق ہے۔ فتامل۔

فصل ۹

بیس رکعت سے زائد تراویح

تراویح ترویح کی جمع ہے۔ ترویح لغت میں راحت پہنچانے کو کہتے ہیں۔ قیام رمضان میں چار چار رکعتیں پڑھنے کے بعد کچھ دیر تک جو بیٹھ کر سستاتے ہیں اس کو ترویح یا ترویحہ کہتے ہیں۔ ترویحہ سے تین فائدے مدنظر ہیں۔ پہلا یہ کہ ذرا آرام کر لینے سے طبیعت کسی قدر تازہ دم اور پرسکون ہو جاتی ہے۔ دوسرا رکعتوں کی گنتی میں سہولت رہتی ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ مسبوق یعنی وہ شخص جو پیچھے سے آکر جماعت میں شامل ہوا ہو وہ اپنی فوت شدہ رکعت کو اس وقفہ کے دوران میں باطمینان ادا کر لیتا ہے۔ گو خلافت راشدہ میں صحابہ و تابعین سنت خلفا یعنی بیس رکعت پر ہی عمل پیرا تھے لیکن اس دور کے بعد بعض بزرگ ہستیوں کا ولولۂ عمل بیس سے بھی زیادہ رکعتوں کا مشتاق رہنے لگا چنانچہ یہ حضرات ترویحوں کے دوران میں آرام و استراحت کے بجائے نفلیں پڑھ کر اپنے جذبۂ شوق کو تسکین دینے لگے۔ ان بزرگوں کی نوافل گذاری کی تعداد مختلف تھی۔ ابتدا میں تو خاص خاص شائقین عبادت ہی ترویحوں میں دو دو یا چار چار رکعت نفل ادا فرماتے تھے اور دوسرے لوگ بیٹھ کر تسبیح و ذکر میں مصروف رہتے تھے لیکن اس کے بعد عامۃ المسلمین میں بھی نوافل گزاری کی تحریک ہوئی اور ہر شخص ان میں سرگرم عمل نظر آیا پس جو حضرات ترویحوں میں دو دو رکعت نفل ادا کرتے تھے ان کی نماز وتر کے علاوہ اٹھائیس رکعت بنتی تھی اور جو لوگ وتر کی جماعت سے پہلے تراویح کے اختتام

پر بھی دوگانہ پڑھتے تھے۔ ان کی رکعتیں تیس تک پہنچتی تھیں بعض نفوس ایسے تھے جو ترویحو
میں صرف دو مرتبہ دو دو رکعت پر اکتفا کرتے تھے۔ ان کی نماز تراویح چوبیس رکعت ہوتی تھی
اور جو حضرات ہر ترویحہ میں چار چار نفل ادا فرماتے تھے ان کی رکعتیں وتر کے علاوہ چھتیس
تک شمار ہیں آتی تھیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد بعض مقامات پر وہ نوافل بھی
جماعت کے ساتھ پڑھے جانے شروع ہو گئے۔ جو ترویحوں میں منفرداً پڑھے جاتے تھے ۔
یہاں تک کہ انجام کار چھتیس رکعتوں کو بھی بعض جگہ اہتمام و التزام کے لحاظ سے وہی حیثیت
حاصل ہو گئی جو عہد خلافت میں بیس رکعتوں کی تھی۔ اب یہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ بیس سے زائد
پڑھنے والے کون کون بزرگ تھے اور ان کی رکعتوں کی تعداد کتنی کتنی تھی؟

عمرو بن مہاجر کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رمضان میں تیس رکعت
پڑھا کرتے تھے۔ ورقا بن ایاس کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جُبیر تابعی رحمہ اللہ ہمیں رمضان
میں پہلی سے بیس تاریخ تک چھ ترویحے (چوبیس رکعت) پڑھایا کرتے تھے لیکن جب آخری عشرہ
آتا تو ایک ترویحہ بڑھا دیتے۔ ذکوان حرشی کا بیان ہے کہ زرارہ بن اوفیؒ رمضان میں چھ
ترویحے (چوبیس رکعت) پڑھاتے لیکن آخری عشرہ میں سات ترویحے کر دیتے۔ محمد بن سیرینؒ
کا بیان ہے کہ معاذ بن حارث انصاریؓ جو خندق کے سال پیدا ہوئے اور ۶۳ھ میں فتنۂ
حرہ میں جرعۂ شہادت نوش فرمایا اکتالیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے اور ابن ابی ذئب نے صالحؒ
سے روایت کی کہ میں نے اہل مدینہ کو واقعہ حرہ سے پیشتر اکتالیس رکعت پڑھتے پایا ہے اس
تعداد میں وتر کی پانچ رکعتیں بھی داخل تھیں اور داؤد بن قیسؒ کا بیان ہے کہ میں نے اہل مدینہ
کو ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کے ایام حکومت میں چھتیس رکعت تراویح
اور تین وتر پڑھتے پایا۔ نافعؒ کہتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو جب کبھی دیکھا تو چھتیس رکعت

تراویح اور تین وتر پڑھتے دیکھا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو انتالیس رکعت پڑھتے دیکھا لیکن میں بیس تراویح کو پسند کرتا ہوں اور عبدالرحمٰن بن اسودؒ لوگوں کو چالیس رکعت تراویح اور (ایک رکعت) وتر پڑھایا کرتے تھے۔ اسحٰق کا بیان ہے کہ ہم چالیس رکعت تراویح کو پسند کرتے ہیں جس میں قرأت بہت ہلکی اور مختصر ہونی چاہیے (قیام اللیل مرّ مطبوعہ لاہور ص ۹۲، ۱۰۹)

معلوم ہوا کہ یہ اسحٰق جن کا ابھی ذکر آیا محمد بن اسحٰق صاحب مغازی کے والد اسحٰق بن یسار ہیں محمد بن اسحٰق کا تذکرہ دسویں فصل میں بالتفصیل گذر چکا ہے۔ اسحٰق بن یسار نے امیر معاویہؓ کو دیکھا تھا اور حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) عروہ بن زبیر وغیرہما سے روایت کی ابن معین نے کہا ثقہ ہیں ابوزرعہ نے بھی ثقہ بتایا اور لکھا ہے کہ اپنے بیٹے محمد بن اسحٰق سے بہت زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں داخل کیا ہے لیکن دارقطنی نے کہا کہ اسحٰق بن یسار حجت نہیں (تہذیب التہذیب جلد اول ص ۲۵۷)

امام ترمذیؒ رقم فرماتے ہیں۔

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدینة والعمل علی هذا عندهم بالمدینة واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة وقال احمد روی فی هذا الوان لم یقض فیه بشیء وقال اسحٰق بل نختار احدی واربعین رکعة علی ما روی عن ابی بن کعب (جامع ترمذی ابواب الصوم مطبوعہ مجتبائی ص ۹۹-۱۰۰)

(رکعاتِ تراویح کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وتر سمیت اکتالیس رکعتیں پڑھنی چاہئیں یہی اہل مدینہ کا قول ہے جس پر مدینہ منورہ میں عمل درآمد ہو رہا ہے اور اکثر اہل علم کا مسلک جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اصحابؓ نے فرمایا بیس رکعت کا ہے اور یہی سفیان ثوری عبداللہ بن مبارک اور شافعی کا قول ہے اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس تراویح ہی پڑھتے پایا ہے اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ رکعات تراویح کی کئی صورتیں روایت کی گئی ہیں جن میں کوئی تعداد قطعی نہیں ہے اور اسحٰق نے کہا کہ ہم اکتالیس رکعت پسند کرتے ہیں جیسے کہ اُبی بن کعبؓ سے روایت کیا گیا ہے ۔

یہاں یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ رکعات تراویح کے متعلق مروزی اور ترمذی رحمہما اللہ نے علماء کے جو مذاہب درج کئے ہیں ان میں آٹھ رکعت کا کوئی ذکر نہیں ۔ اگر امام مالکؒ کی روایت جس میں آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر مذکور ہیں قابل اعتنا ہوتی یا خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ نے واقعی حضرت اُبی بن کعبؓ کو آٹھ تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہوتا جیسا کہ مؤطا میں مذکور ہے یا سلف صالح میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت تراویح سے روشناس ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ علماء حق میں سے کسی نہ کسی نے آٹھ تراویح کا مسلک اختیار نہ کیا ہوتا اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء امت میں کوئی بھی آٹھ تراویح کا قائل نہیں یہاں تک کہ خود امام مالکؒ بھی جنہوں نے آٹھ کی روایت کی تخریج کی آٹھ تراویح کے قائل نہ ہوئے بلکہ جماعت "اہل حدیث" کے رکن رکین جناب قاضی شوکانی کو بھی آٹھ تراویح سوجھائی نہ دی ۔ تو عقل بالبداہت فیصلہ کرتی ہے کہ آٹھ تراویح کا نرالا مسلک صرف ہندوستان کے اہل حدیث حضرات کی دماغی پیداوار ہے جو علم حدیث میں بصیرت نہ رکھنے کے باعث غلط فہمیوں کا شکار ہو رہے ہیں ۔

بیس رکعت کے بجائے چھتیس یا چھتیس سے زائد تراویح پڑھنے کا جس طرح رواج ہوا اس کی کیفیت اوپر لکھی جا چکی ہے لیکن شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اہل مدینہ کے چھتیس تراویح پڑھنے کی بنا یہ قرار دی ہے کہ مکہ معظمہ میں بیس رکعت پڑھی جاتی تھی لیکن اہل مکہ دو دو ترویحوں

یعنی ہر آٹھ رکعت کے بعد بیت اللہ کا طواف کرتے اور اس سے فارغ ہو کر دوگانہ نماز پڑھتے تھے۔ البتہ پانچویں ترویحہ یعنی بیسویں رکعت کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔ اہل مدینہ نے ارادہ کیا کہ مکہ والوں کی مشابہت کر کے حصول ثواب میں ان کی مساوات حاصل کریں پس اہل مدینہ نے ہر ترویحہ کے بعد چار چار نفل پڑھنے شروع کئے (مصابیح مترجم مطبوعہ امرتسر ص ۹)

فصل ۹

امام مالک رحمۃ اللہ کا مذہب (۳۶ رکعت)

آئمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ تو چھتیس رکعت تراویح کے قائل تھے لیکن ابوحنیفہ، شافعی اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب بیس رکعت کا تھا۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کو بے دلیل اس بات پر سخت اصرار ہے کہ امام مالکؒ آٹھ رکعت تراویح کے قائل تھے لیکن یہاں بدلائل ثابت کیا جائیگا کہ امام ممدوح کا مذہب چھتیس رکعت تراویح کا تھا چنانچہ مندرجہ ذیل بیانات اس دعوے کی قطعی دلیل ہیں۔

(۱) امام ترمذی محدث رحمہ اللہ رقم فرما ہیں۔

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرای بعضهم ان تصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدینة والعمل علی هذا عندهم بالمدینة (جامع ترمذی جلد اول ص ۹۹)

(رکعات تراویح کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وتر سمیت اکتالیس رکعت (چھتیس تراویح اور پانچ وتر یا ۳۸ تراویح اور تین وتر یا ۳۸ تراویح اور تین وتر یا چالیس تراویح اور ایک وتر) پڑھی جائیں۔ یہ قول اہل مدینہ (امام مالکؒ وغیرہ) کا ہے اور مدینہ منورہ میں اکتالیس رکعتیں ہی پڑھی جاتی ہیں۔

(۲) امام ابن قدامہ حنبلی المتوفی ۶۲۰ھ رقم فرما ہیں۔

والمختار عند ابی عبد الله رحمہ الله فیھا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری وابوحنیفہ والشافعی وقال مالك ستۃ وثلاثون وزعم انہ الامر القدیم وتعلق بفعل اھل المدینۃ۔

(المغنی مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۸۰۲) (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک بیس رکعت کا عمل پسندیدہ ہے ثوری، ابوحنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک چھتیس رکعت کے قائل ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ میں قدیم سے چھتیس رکعت پڑھتے چلے آئے ہیں۔ یہ عدد اہل مدینہ کے فعل سے متعلق ہے۔

(۳) سیوطیؒ رقمطراز ہیں

وعن مالك التراویح ست وثلثون رکعۃ غیر الوتر (مصابیح مترجم مطبوعہ امرتسر صفحہ ۹)

(امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ تراویح کی نماز وتر کے علاوہ چھتیس رکعت ہے)

فصل ۱۰

آٹھ رکعت پر اصرار کرنے والا خاطی گنہگار ہے

پہلے بارہا لکھا جا چکا ہے کہ بیس رکعت تراویح خلفاء راشدینؓ کی سنت ہے اور حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت اور سنۃ الخلفاء کو مساوی حیثیت میں رکھا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا

مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

(تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑے اختلاف دیکھے گا ایسی حالت میں میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کا التزام رکھنا اور اسی پر اعتماد کرنا اور اسے ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑ لینا (یعنی انتہائی محافظت کرنا)

لیکن یاد رہے کہ اس حدیث میں سنۃ الخلفاء سے وہ امر مراد ہے جس کی اصل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہو مگر عہد رسالت میں اس کا اجراء و شیوع نہ ہوا ہو اور پھر دورِ خلافت میں کسی خلیفہ نے اس کا اجراء فرما دیا ہو سو وہ فعل بھی درحقیقت خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے لیکن اس لحاظ سے کہ اس کا شیوع ایک یا متعدد خلفاء کے ہاتھوں سے ہوا۔ وہ سنت سنۃ الخلفاء کے نام سے مشہور ہوئی۔ پس سنت خلفاء فی الحقیقت وہی فعل ہے جس کی اصل شارع علیہ السلام کی سنتِ سنیہ میں موجود ہو۔ اسی بناء پر صحابہ کرامؓ اسی سنۃ الخلفاء کی پیروی کرتے تھے۔ جس کی اصل سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہوتی تھی۔ ورنہ مسترد کر دیتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کو طلب فرما کر جمع قرآن کے لئے کہا تو انہیں یہ امر بدعت معلوم ہوا اور تعمیل امر سے عذر خواہی کی اور کہا آپ حضرات ایسے فعل پر کیوں اقدام کرتے ہیں۔ جسے شارع علیہ السلام نے نہیں کیا۔ حضرت زیدؓ کو شیخین کا یہ حکم اتنا ناگوار تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر شیخین مجھ کو پہاڑ کے ایک جگہ سے اٹھا اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے۔ تو میرے لئے وہ کام اس سے آسان تھا۔ غرض حضرت زید کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ یہاں تک حضرت ابوبکر صدیق ان کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو گئے کہ یہ اقدام بدعت نہیں بلکہ سنت ہے اور حضرت زیدؓ نے تسلیم کر کے اس کام کو شروع کر دیا۔

سالارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات تراویح پڑھا کر اس کی جماعت بخوف فرضیت ترک فرما دی تھی لیکن جب امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوسرے سال اس سنت نبوی کا احیاء فرمانا چاہا اور حضرت اُبی بن کعبؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو تراویح میں قرآن سنایا کریں۔ تو انہوں نے التزام جماعت سے انکار فرمایا اور کہا کہ آپ ایسا کام کیوں کرتے ہیں جو پہلے سے نہیں چلا آتا ہے۔ حضرت خلافت مآبؓ نے فرمایا مجھے اس کا

علم ہے لیکن یہ ایک پسندیدہ فعل ہے (کنز العمال جلد ۴ ص ۲۸۴) یہ سُن کر حضرت اُبیؓ مان گئے اور نماز تراویح پڑھانی شروع کر دی۔ غرض جب تک صحابہ کرامؓ کو یقین نہیں ہو جاتا تھا کہ یہ فعل سنّت نبوی کے مطابق ہے۔ اُس وقت تک وہ خلفاء کی کسی سنّت کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ اور میں پہلے ثابت کر آیا ہوں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تراویح کا امر فرمایا اور حضرت عمرؓ ان دو بزرگوں میں سے ایک ہیں جن کی نسبت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر (ان دو کی اقتدا کرو۔ جو میرے بعد صاحب امر ہونگے یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) اور نہ صرف حضرت عمر فاروقؓ نے بلکہ حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما نے بھی بیس ہی کا حکم دیا اور خود بھی اسی تعداد پر عمل پیرا رہے اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو آخری تین خلافتوں میں موجود تھے کبھی اس تعداد پر انکار نہ فرمایا بلکہ اسی کو معمول بہا بنائے رکھا۔ تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بیس کی تعداد خود حضور پُر نور سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ تھی اور اس پر سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر عملدر آمد کیا۔

پس بیس رکعت تراویح بھی ایک ایسا امر ہے جس کی اصل سنّتِ نبوی میں موجود تھی۔ اسی وجہ سے تمام صحابہ نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل پیرا رہے اور کسی وقت کسی صحابی نے اس سے اعراض نہ کیا اور نہ اس کو سنّت نبوی کے خلاف سمجھا پس ثابت ہوا کہ بیس رکعت تراویح جو خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا متفقہ عمل ہے خود سنّت رسول اللہ ہے ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ جو لوگ سنّت رسول اللہ سے منہ موڑ کر ایک موہوم چیز یعنی آٹھ رکعت کے آستانہ پر دھونی رمائے بیٹھے ہیں اور یہاں سے ٹلنے اور اٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ وہ بلا شبہ قابلِ ملامت اور مبتدع ہیں کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد دونوں سنتوں کو معمول بہا بنانا تھا آپ نے قطعاً

یہ نہیں فرمایا تھا کہ میری سنت کو لے کر سنتِ خلفاء سے روگردانی کرنا بلکہ آپ نے دونوں سنتوں کے التزام کا ارشاد فرمایا کیونکہ دونوں سنتوں کی حیثیت یکساں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد کی بحث جمعہ میں فرمایا کہ سنت وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا خلفائے راشدین کے قول یا فعل سے ثابت ہو۔ سنت کی اس تعریف کے ماتحت یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا کہ کم سے کم بیس رکعت تراویح سنت ہے۔

"بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہے"

اس سے قطع نظر یہ امر یقینی ہے کہ بیس رکعت پر خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی اور ہر وہ امر جس پر خلفائے راشدین مواظبت فرما رہے ہوں وہ سنت موکدہ ہے پس بیس رکعت جو سنت موکدہ ہے اس کا تارک عند اللہ معتوب اور مستحق ملامت ہے۔ مزید براں علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ کی بحث طہارت میں لکھا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی سیرت مبارکہ کا اتباع باعث اجر و ثواب اور عدم اتباع باعث عذاب اُخروی ہے کیونکہ ہم ان کی اقتداء کے مامور ہیں پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیس رکعت تراویح کا اقتدا واجب ہے اور اس کا تارک عتاب و عذاب اُخروی کا مستحق ہوگا پس جو کوئی بیس تراویح سے اعراض کرے یا اس کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔ وہ بلاشبہ بدعتی گنہگار ہے۔ یہ وہ سنت ہے جو ساڑھے تیرہ سو سال سے مشرق سے مغرب تک تمام اہل حق کی مختار اور معمول بہا رہی ہے اور سلف سے خلف تک تمام اکابر دین اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ ایسی سنت کو ترک کرنا اور اس کے خلاف ایک نیا راستہ جو تیرہ سو سال تک کسی کو نہیں سوجھا تھا اختیار کرنا غیر سبیل المومنین کا اتباع کرنا ہے۔

کاش ! مولوی محمد ابراہیم صاحب اور اُن کے گم کردگانِ راہ ہم خیال آٹھ رکعت کی بدعت کو چھوڑ کر بیس رکعت کی سنّتِ خلفا پر جو درحقیقت خود سنّتِ نبوی ہے ۔ عمل پیرا ہوں ۔ آٹھ رکعت تراویح ایک مُحدَث چیز ہے جس پر سختی سے جمے رہنا سخت نا اندیشی اور حرمان نصیبی ہے حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ ‘‘ (رواہ مسلم) (بلاشبہ کلاموں میں سے بہترین کلام کتاب اللہ ہے اور راستوں میں سے بہترین راہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریق ہے اور چیزوں میں سے بدترین چیز وہ ہے جو دین میں نئی نکالی گئی ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے ۔)

کیا سیالکوٹی صاحب اور ان کے پیرو سیکرٹری صاحب میری عرضداشت کو سمع قبول سے سُنیں گے ؟

فصل ۱۱

امام ترمذیؒ کے بیان سے ’’اہل حدیث‘‘ کی رُوگردانی

اہل سنت ۔ حدیث اور شروح حدیث کی جس کتاب کو بھی اُٹھا کر دیکھو اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ساری ملت اسلامیہ ہمیشہ بیس رکعت کی سنت فاروقی یا اس سے زائد رکعتوں پر عمل پیرا رہی ہے یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں آٹھ رکعت تراویح کا کہیں بھولے سے بھی ذکر نہیں ۔ البتہ جامع ترمذی میں منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا ۔ چنانچہ امام ترمذی رقم فرما ہیں ۔

واکثر اہل العلم علیٰ مارُوِی عن علی وعمر وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ (ترمذی شریف مطبوعہ مجتبائی جلد اول ص ۹۹ - ۱۰۰)

(حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہ نے بیس تراویح پڑھنے کا حکم دیا۔ اسی بنا پر اکثر اہل علم بیس ہی کے قائل ہیں)

اب حضرات "اہل حدیث" کا فرض ہے کہ یا تو ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر ترمذی شریف کے اس بیان کو اُسوۂ عمل بنائیں ورنہ اہل حدیث کہلانے سے شرمائیں۔ کیونکہ بصورتِ انکار و اعراض ان پر یہ مصرع صادق آئے گا "برعکس نہند نام زنگی کافور" یعنی اہل حدیث وہ ہے۔ جو حدیث کو نہ مانے۔

اہل حدیث۔ واقعی ہم ترمذی کے اس بیان کو نہیں مانتے کیونکہ امام ترمذی نے کوئی حدیث درج نہیں کی بلکہ محض اپنی تحقیق پیش کر دی ہے۔

اہل سنت بہت سی حدیثیں ضعیف بلکہ موضوع اور بعض مُأوّل یا منسوخ ہوتی ہیں۔ اس لئے اگر کوئی محدث اپنی تحقیق پیش کرے جو روایتوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہوتا ہے تو وہ کسی طرح صحیح روایتوں سے کم قابل اعتماد نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ ایک ایسی چیز ہے جو میزان حق وصدق پر پوری اتر چکی ہے۔

اہل حدیث۔ نہیں۔ ہم نہیں مانتے کیونکہ ترمذی رح نے یہ نہیں کہا حدثنا فلان عن فلان عن فلان۔

اہل سنت۔ واقعی اس کی تصدیق ہو گئی کہ آج کل کا "اہل حدیث" وہ ہے جو حدیث کا منکر ہو۔ اگر یہی چیز آپ کے مفید مطلب ہوتی اور کوئی حنفی کسی اصول کی بنا پر اس کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تو آپ لٹھ لے کر اس کے پیچھے پڑ جاتے کہ دیکھو یہ مقلد لوگ محدث

کے بیان کو جھوٹا سمجھتے ہیں لیکن اب آپ ہی ترمذی شریف کو پس پشت ڈال کر حیلہ جو یاں کر رہے ہیں۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے۔

اہل حدیث۔ اگر ہم نے کسی حدیث نبوی کا انکار کیا ہوتا تو طعن وتشنیع بجا تھی۔ ہم تو صرف امام ترمذیؒ کی بات کو مسترد کرتے اور ناقابل وثوق ٹھہراتے ہیں۔

اہل سنت۔ آخر ناقابل وثوق ٹھہرانے کی وجہ کیا ہے؟ کیا امام ترمذیؒ کا علمی پایہ کچھ کمزور ہے؟ کیا وہ تنقید حدیث میں کچھ سست تھے؟

اہل حدیث۔ نہیں مگر ہم ان کی بات نہیں مانتے۔

اہل سنت۔ سنئے جب کوئی محدث کوئی بات صیغہ جزم کے ساتھ بیان کرے مثلاً لکھے کہ فلاں نے یوں کہا یا فلاں نے یہ ذکر کیا تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس محدث کے نزدیک اس کا اسناد ثابت ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مصطلحات حدیث میں لکھتے ہیں:۔

وقد یفرق فیھا بان ما ذکر بصیغۃ الجزم والمعلوم کقولہ قال فلانٌ اوذکر فلانٌ دل علی ثبوت اسنادہ عندہ فھو صحیح قطعًا وما ذکرہ بصیغۃ التمریض والمجھول کقیل ویقال وذکر ففی صحتہ عندہ کلام ولکنہ لما اوردہ فی کتابہ کان لہ اصل ثابت ولھذا قالوا تعلیقات البخاری متصلۃ صحیحۃ۔

(اس میں فرق اس طرح کیا جاتا ہے کہ جو بات جزم اور معلوم کے صیغہ میں بیان کی گئی ہو مثلاً محدث کا یہ قول کہ فلاں نے کہا یا فلاں نے ذکر کیا تو یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ محدث کے نزدیک اس کا اسناد ثابت ہے پس وہ قطعاً صحیح ہے اور جو بات صیغۂ مجہول یا غیر مطمئن طرز تعبیر میں کہی ہو مثلاً یہ ہو "کہا گیا ہے" یا "کہا جاتا ہے" یا "ذکر کیا گیا ہے" تو اس کی صحت میں محدث کو کلام ہوتا ہے لیکن جب اس نے اس کو اپنی کتاب میں درج کیا تو

تو اس کے نزدیک اس کی اصل بھی ثابت ہے۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ بخاری کی تعلیقات متصل صحیح ہیں)

یہاں امام ترمذیؒ جزم و قطعیت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیس رکعت ثابت ہیں پس کوئی وجہ نہیں کہ آپ اس کی صحت سے انکار کریں۔

اہل حدیث ۔ ہم نہیں مانتے۔

اہل سنت ۔ نفسانیت اور ہٹ دھرمی کا علاج تو لقمانؒ کے پاس بھی نہیں تھا لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا امام بخاریؒ کی تعلیقات کو صحیح مانتے ہو۔ مثلاً امام بخاری رحمہ رقم فرماتے ہیں۔

باب ما یقع من النجاسات فی السمن والماء وقال الزہری لاباس بالماء مالم یغیرہ طعمہ او ریحہ اولونہ وقال حماد لاباس بریش المیتۃ وقال الزہری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیرہ ادرکت ناساً من سلف العلماء یمتشطون بہا ویدہنون فیہا لایرون بہ باساً وقال ابن سیرین و ابراہیم لاباس بتجارۃ العاج ۔

(باب۔ گھی یا پانی میں کوئی ناپاک چیز پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ زہری نے کہا کہ جب تک مزہ، بو یا رنگ تبدیل نہ ہو اس پانی میں کوئی خرابی نہیں اور حماد نے کہا کہ مردار کے بال اور پر پاک ہیں اور زہری کا بیان ہے کہ مردار کی ہڈیوں مثلاً ہاتھی (دانت) وغیرہ کے متعلق میں نے متعدد علماء سلف کو دیکھا کہ اس سے کنگھی کرتے اور ان میں تیل رکھتے تھے اور محمد بن سیرین اور ابراہیم نخعی کا مقولہ ہے کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں۔

باب لا یجوز الوضوء بالنبیذ ولا بالمسکر وکرہہ الحسن وابو العالیہ وقال عطاء التیمم احب الی من الوضوء بالنبیذ واللبن ۔ (باب ۔ نبیذ اور نشہ آور چیز سے

وضو درست نہیں حسنؒ اور ابوالعالیہؒ نے نبیذ سے وضو کرنے کو مکروہ جانا اور عطا بن ابی رباح تابعیؒ نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک نبیذ یا دودھ سے وضو کرنے کی نسبت تیمم کر لینا بہتر ہے۔

ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ نے ان تعلیقات میں کوئی روایت بیان نہیں فرمائی۔ بلکہ محض اپنی تحقیق کی بنا پر تابعینِ عظام کے مذاہب و مسالک درج کر دیئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا آپ امام بخاریؒ کو ان بیانات میں محقق اور صادق و راست گو سمجھتے ہیں یا نہیں ؟

اہل حدیث ۔ سچا یقین کرتے ہیں ۔

اہل سنت ۔ تو پھر امام ترمذیؒ کو متذکرہ صدر تعلیق یعنی حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال بلا سند بیان کرنے میں صادق البیان کیوں نہیں جانتے ۔ اور بیس رکعت کے ارشادات مرتضوی و فاروقی پر عمل پیرا کیوں نہیں ہوتے ؟

اہل حدیث ۔ (خاموش)

اہل سنت ۔ یہاں سے مبی سیالکوٹی صاحب کے اس بیان کی لغویت عالم آشکارا ہو گئی ۔ جو انہوں نے لکھا تھا کہ "یہ دعویٰ کہ بیس رکعت تراویح کا تقرر خلفاء کے حکم یا عمل سے کیا گیا ہے ۔ محدثین کے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا ۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۹)

فصل ۱۲

فرقہ "اہل حدیث" کا خرقِ اجماع اور بیجا اِستبداد

اہل سنت ۔ ابن حجر ہیثمی مکی کا بیان ہے کہ صحابہ نے اس بات پر اجماع کیا

کہ تراویح بیس رکعت ہے۔ (انارہ المصابیح صفحہ ۱۸)

اہل حدیث۔ زمانہ خلافت میں بیس پر اجماع کا دعویٰ خیالی ہے اس پر دلیل کوئی نہیں۔ (انارۃ المصابیح صفحہ ۱۸)

اہل سنت۔ حضرات قارئین کرام کو ان روایتوں سے جو چوتھی فصل میں حوالہ قرطاس ہوئیں حق الیقین معلوم ہو چکا ہوگا کہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت تراویح کا اجرا فرمایا تھا اور یہ کہ جملہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیس رکعت ہی پڑھتے تھے اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی نے نہ تو بیس کو چھوڑ کر کسی اور عدد کو معمول بہا بنایا اور نہ کبھی کسی نے اس تعداد کے خلاف احتجاج کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہؓ کا اس پر اجماع ہو چکا تھا۔ نور الانوار میں اجماع کے اقسام میں ایک قسم اجماع سکوتی بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

ورخصة وهوان يتكلم او يفعل البعض دون البعض اے يتفق بعضهم على قول اوفعل وسكت الباقون منهم لا يردون عليهم بعد مضى مدة التامل ويسمى هذا اجماعاً سكوتيا وهو مقبول عندنا (نور الانوار ص ۲۱۹)

(اجماع کی ایک قسم رخصت ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ بعض صحابہ کوئی بات کہیں یا کوئی کام کریں اور باقی اس پر سکوت کریں اور کوئی مخالفت و تردید نہ ہو۔ تو اس کا نام اجماع سکوتی رکھا گیا ہے اور یہ ہمارے یہاں مقبول ہے۔

اور اس کی مقبولیت کا باعث یہ ہے کہ خود کسی خلاف سنت فعل کا ارتکاب تو در کنار نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی شخص کو اسوۂ سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی کام کرتے دیکھکر خاموش نہیں رہتے تھے۔ کیونکہ نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے کی جگہ مداہنت کرلے

والے اور خاموشی اختیار کرنے والے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گونگا شیطان قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام عاملانِ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ان کی شانِ رفیع سے یہ امر بہت بعید ہے کہ انہوں نے کسی صحابی کو خلاف سنت فعل کرتے دیکھکر سکوت کیا ہو۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان نفوسِ قدسیہ کو بارگاہِ نبوت سے تعدادِ تراویح کے متعلق قطعی علم حاصل ہو چکا تھا اسی وجہ سے انہوں نے نہ صرف سکوت فرمایا بلکہ خود اس پر عمل پیرا بھی رہے چنانچہ حضرت عطا تابعی" کا یہ بیان چوتھی فصل میں گذر چکا ہے کہ میں نے صحابہ کرام کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے "۔ عطا رحمہ اللہ نے قریبًا دو سو صحابہ رض کو دیکھا تھا جن میں بعض سے حدیث کی روایت بھی کی۔

الغرض امیرالمومنین عمر اور ان کے جانشین خلفاء رضی اللہ عنہم کا بیس رکعت کا حکم دینا حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ یاد رہے کہ حدیث مرفوع کی دو قسمیں ہیں۔ مرفوع حقیقی و مرفوع حکمی۔ مرفوع حقیقی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول یا فعل کو کہتے ہیں اور مرفوع حکمی کسی صحابی کا وہ قول و فعل ہے جس میں رائے و اجتہاد کو دخل نہ ہو۔ شرح نخبۃ الفکر میں مرفوع حکمی کی مثال یہ لکھی ہے۔

مثال المرفوع من القول حکمًا لا تصریحًا ما یقول الصحابی لم یاخذ عن الاسرائیلیات مالا مجال للاجتہاد فیہ ومثال المرفوع من الفعل حکمًا ان یفعل الصحابی مالا مجال للاجتہاد فیہ فینزل علی ان ذالک عندہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۷۶) (جو صحابی اسرائیلی روایت سے اجتناب کرتا ہو اس کے اس قول یا فعل کو مرفوع حکمی کہتے ہیں جس میں رائے و اجتہاد کو دخل نہ ہو اور ایسے صحابی کا وہ فعل حکمًا مرفوع ہے جس میں اجتہاد و قیاس کو دخل نہ ہو ایسی حالت میں یہ یقین کیا جائے گا کہ صحابی کو اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

علم و بصیرت حاصل ہے)

اور تمام صحابہ رض کا اسی تعداد کو معمول بہا بنانا بھی فعلاً حدیث مرفوع کا حکم رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی صحابی کے اختلاف و تردید نہ کرنے سے اجماع صحابہ ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں۔

قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان و یوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذالک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار و لم ینکرہ منکر۔ (فتاوے ابن تیمیہ رح جلد اول ص ۱۸۶)

(یہ امر ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رض رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے اکثر علماء نے بیس رکعت کو ہی سنت نبوی قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ حضرات مہاجرین و انصار کے سامنے بیس رکعت کا قیام کرتے تھے اور کسی نے ان کے فعل پر انکار و اعتراض نہ کیا تھا)

اسی طرح قسطلانی لکھتے ہیں۔

وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر رض کالاجماع (اوجز المسالک ص ۳۹۰ التعلیق الممجد ص ۵۳)

(علماء نے حضرت عمر فاروق رض کے اس واقعہ کو مثل اجماع قرار دیا ہے)

اور کتاب تحفۃ الاخیار میں ہے۔

ولکن اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔

(بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرام رض کا اجماع ہو چکا ہے)

یہ تصریحات سیالکوٹی صاحب کے اس دعوی کی اچھی طرح قلعی کھول دیتی ہیں کہ "بیس پر اجماع کا دعوے خیالی ہے"۔ ان واضح بیانات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرات "اہل حدیث" خرق اجماع کے مجرم ہیں اور انہوں نے تمام امت مسلمہ سے علیحدہ ہو کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ

ی ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ، قاضی شوکانی اور ظاہری المذہب علما ر
بیس ہی کے قائل تھے۔ تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ ہمارے
ستان کے مدعیان عمل بالحدیث صحیح معنیٰ میں غیر مقلد اور پکے آزاد منش ہیں۔

اہل حدیث۔ بیس رکعت پر امت کا اتفاق بتانا غلط ہے۔ کیونکہ اسلاف میں بعض
رس یا اکتالیس یا چھتیس رکعتیں بھی پڑھا کرتے تھے۔

اہل سنت۔ بیس سے زائد رکعتیں ہمارے مسلک کے خلاف نہیں کیونکہ جماعت کے
تو عموماً تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی تھی۔ البتہ جب لوگ چار چار رکعتوں کے بعد
ی دیر آرام و استراحت کے لیے جس کو ترویحہ کہتے ہیں بیٹھتے تھے تو اس میں بعض شائقین
ت چار رکعت نفل با جماعت پڑھ لیتے تھے پس ان زائد سولہ رکعتوں کو شمار نہ کیا جائے۔ تو پھر
رکعت تراویح بیس ہی رہ جاتی ہیں اور اگر زائد نوافل کو شمار کیا جائے۔ تو وتر سمیت اکتالیس
ر وتر چھتیس بنتی ہیں اور اگر ان دو رکعتوں کو بھی اس گنتی میں شامل کر لیں جو وتر کے بعد
پڑھتے تھے۔ تو مجموعہ اکتالیس رکعت ہو جاتا ہے۔ غرض ان مختلف اعداد میں باہم
تعارض نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ہندوستان کے اس شرذمۂ قلیلہ کے سوا امت مرحومہ
ی بھی بیس رکعت کے خلاف نہیں بلکہ ساری امت کا متفق علیہ عمل ہے۔

کاش مولوی محمد ابراہیم صاحب اور ان کی جماعت "اہل حدیث" کو یہ سمجھنے کی توفیق
ہ ساری امت کی مخالفت اور تمام مقتدایان ملت کے طریق عمل سے سرتابی کبھی مثمر خیر
ہو سکتی۔ ہمارے اہل حدیث دوستوں کو یہ ارشاد ربانی دلیل راہ بنانا چاہئے۔

ن يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ
مِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا (۴: ۱۱۵)

(اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھٹ کر چلتا ہے۔ بعد اس کے کہ اس پر ہدایت واضح ہو جاتی ہے اور مومنوں کے سوا دوسری راہ چلتا ہے ہم اس کو وہ دیدیتے ہیں جو وہ لینا چاہتا ہے اور اسے جہنم میں جلاتے ہیں۔ وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔)

اور جماعت اہل حدیث کے شر ذمہ قلیلہ کے لئے یہ حقیقت انتہا درجہ کی ماتم انگیز ہے کہ دنیا کا کوئی امام کوئی مجتہد اور کوئی محدث آٹھ رکعت تراویح کا قائل نہیں۔ چنانچہ محدث ترمذیؒ نے جہاں اکابر سلف کے مذاہب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہاں آٹھ رکعت تراویح کا کوئی مسلک نہیں بتایا۔ اگر کوئی صحابی، کوئی تابعیؒ، کوئی تبع تابعی، یا دنیا کا کوئی اور امام آٹھ رکعت کا قائل ہوتا۔ تو ترمذی رحمہم اللہ اس کے اظہار میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے۔ ترمذیؒ کی تصریح ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدینة والعمل علی هذا عندهم بالمدینة واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا مکة یصلون عشرین رکعة وقال احمد روی فی هذا الوانٌ لم یقض فیه بشئ وقال اسحق بل نختار احدی واربعین رکعة علی ماروی عن ابی بن کعب۔

(ترمذی شریف ابواب الصوم مطبوعہ مجتبائی دہلی جلد اول صفحہ ۹۹ - ۱۰۰)

(قیام رمضان کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ تو بعض حضرات نے یہ مناسب سمجھا کہ اکتالیس رکعتیں وتر سمیت ہوں اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ان کے یہاں مدینہ منورہ میں اس پر عمل بھی ہے۔ اور اکثر اہل علم اسی مسلک پر ہیں جو حضرت علی وعمر وغیرہما دیگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ بیس رکعتیں

پڑھیں اور یہی سفیانؒ ثوری ابن مبارکؒ اور شافعی کا مسلک ہے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں اسی طرح سے پایا کہ بیس رکعتیں پڑھتے ہیں اور امام احمد نے فرمایا کہ اس بارے میں طرح طرح سے روایت کی گئی ہے کسی خاص چیز کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔ اسحٰقؒ نے فرمایا کہ ہم اکتالیس رکعتیں پسند کرتے ہیں جیسے کہ ابی بن کعب سے روایت ہے۔ (ترمذی شریف ابواب الصوم مطبوعہ مجتبائی دہلی جلد اول ص ۹۹-۱۰۰)

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلَى الْاِتْمَامِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا اَبَدًا دَائِمًا ؕ

خَاتِمَہ

آخیر میں یہ جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ اس مجلہ کی تکمیل کے کچھ عرصہ بعد حضرت علامہ مولوی ابو یوسف محمد شریف صاحب خطیب جامع کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کی طرف سے ان کا رسالہ موسومہ "کتاب التراویح" بھی راقم الحروف کے پاس پہنچ گیا یہی وہ رسالہ ہے جس کے مقابلہ میں مولانا سیالکوٹی نے رسالہ انارۃ المصابیح زیب رقم فرمایا تھا لیکن کتاب التراویح اور انارۃ المصابیح دونوں کا مطالعہ کرنے سے ہر منصف مزاج اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ سیالکوٹی صاحب نے "کتاب التراویح" کے کم از کم اسی فی صدی دلائل وبیانات کو جن کی طرف سے وہ بالکل لاجواب تھے۔ بالکل چھوا تک نہیں ہے اور جن دلائل کے جواب میں کچھ بساط جرات پر قدم رکھا ہے۔ ان میں بھی بری طرح منہ کی کھائی ہے۔ اس لئے میں سیالکوٹی صاحب کو خلوص دل سے مشورہ دیتا ہوں کہ ان کے لئے مرزائیت کی تردید ہی دینی خدمت کا بہترین مشغلہ ہے۔ علمائے احناف کے منہ لگنا ان کے لئے کسی طرح زیب نہیں دیتا اور نہ یہ ان کے یا کسی دوسرے غیر مقلد مولوی کے بس کا روگ ہے۔ والسلام علٰی من اتبع الھدٰی

ضروری عرضداشت

(۱)

آج سے تقریباً پندرہ سال قبل ۱۹۴۲ء میں محترم حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحب نے یہ رسالہ تحریر فرمایا لیکن اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔ اتفاقاً احقر کو مولانا موصوف سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور چونکہ "اسلامیہ ٹرسٹ" علمی اور تحقیقی مضامین کی اشاعت اپنا مقصد بنائے ہوئے ہے۔ اس لئے موصوف نے جب اس رسالہ کا تذکرہ فرمایا تو ہم نے درخواست کی کہ یہ ہمیں عنایت فرما دیا جائے۔ ہم اسے طبع کرائیں گے۔ چنانچہ آپ نے بطیب خاطر اسے منظور فرماتے ہوئے رسالہ عنایت فرما دیا۔ جو بحمد اللہ طبع ہو کر ہدیہ ناظرین ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

(۲)

اسلامیہ ٹرسٹ (وقف) کی آمدنی ادارہ جامعہ مدنیہ (رجسٹرڈ) کے لئے وقف کی گئی ہے جو کہ ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ جہاں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ قرآن پاک۔ تجوید اور تمام علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ اس ادارہ کو اپنے مصارف خیر میں شمار کرتے ہوئے اس کی زائد سے زائد امداد فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

الداعی الی الخیر

مینیجر اسلامیہ ٹرسٹ

گلی سرکی بندان۔ اندرون لوہاری دروازہ۔ لاہور

(مطبوعہ الہلال پرنٹنگ پریس لاہور)

۱ - ...
۲ - ...

تاریخ الاسلام

مصنفہ

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہم

(مصنف علمائے ہند کا شاندار ماضی وغیرہ)

جس میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ کے حالات، آپ کی سیرت طیبہ، غزوات اور بہت سی اسلامی تعلیمات ایسے سہل اور دلکش طریقے پر ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہیں کہ چھوٹے اور بڑے بچوں کو یکساں مفید ہوں۔ یہ کتاب اپنی افادیت کے پیشِ نظر بہت سے ہائی سکولوں میں داخل نصاب کر لی گئی تھی لیکن تقسیم کے بعد سے ملتی نہ تھی۔ اِس لیے اب اُسے **اسلامیہ ٹرسٹ** کی جانب سے شائع کیا جا رہا ہے۔ —— کتابت، طباعت خوشنما، دیدہ زیب۔

صفحات ۳۳۶ ؛ غیر مجلد سوا دو روپے ؛ مجلد دو روپے بارہ آنے

جو حضرات طلب فرمانا چاہیں، حسبِ ذیل پتہ سے طلب فرمائیں

اسلامیہ ٹرسٹ اندرون لوہاری گیٹ کوچہ سرکی بنداں **لاہور**

بیس عدد رکعاتِ تراویح کے اثبات میں ایک بلند پایہ محققانہ تصنیف

المسمّٰی

بالتوضیح عن رکعات التراویح

مصنفہ

حضرت علامہ ابو القاسم رفیق دلاوری صاحب مدظلہم

ناشر